ماهنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

December 2025

مُدِیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا
علمی، دینی، تحقیقی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۳) جمادی الثانی: ۱۴۴۷ھ، مطابق دسمبر ۲۰۲۵ء شمارہ (۶)

مدیر مسئول
حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی
بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ و صدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر
محمد صغیر قاسمی
09897855010
sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:
فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط و کتابت کا پتہ:
دفتر ماہنامہ ”تحقیقاتِ اسلامی“
جامعۃ السعادۃ
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر
تحقیقاتِ اسلامی
۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفر نگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ
وہ زمانے میں معزز تھے... محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی (۳)
درس قرآن
تفسیر سورۂ قلم مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی (۵)
مقالات ومضامین:
حلال و پاکیزہ غذا مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی (۹)
الحادی سرگرمیاں... مولانا محمد راشد گورکھپوری (۱۱)
اُمت سے متعلق.. کے اندیشے مولانا احمد سعید (۱۶)
بھارت کی تعمیر و ترقی میں.. مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (۱۹)
ذہن کی تربیت اور عمل محمود الحسن مدراسی (۲۴)
حالاتِ حاضرہ.. محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی (۲۵)
کیا چار فقہی مذاہب، اسلام کا متبادل ہیں مفتی زبیر شاہ (۲۸)
دین اسلام میں خاندانی نظام مولانا محمد عرفان اللہ اختر (۳۳)
فقہ وفتاوی
دوا علاج سے متعلق نئے مسائل مفتی ولی اللہ مجید قاسمی مئوی (۳۶)
تعارف کتب
''نقوش وفکر ونظر'' پروفیسر محسن عثمانی ندوی (۴۰)
واقعات وحکایات ابوصفی قاسمی (۴۲)
افسانہ
قصہ چہار درویش میرامن دہلوی (۴۳)
طب وصحت
سردیاں اور بیماریاں مفتی ناصر الدین مظاہری (۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

وہ زمانے میں معزز تھے...

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

ہم مسلمانوں کا بھی عجیب وغریب حال ہے، اپنی کمیوں، کمزوریوں اور غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہر مصیبت اور پریشانی کا ذمہ داری غیروں کو قرار دیتے ہیں، نہ کسی ابتلاء و آزمائش سے سبق لیتے ہیں، اور نہ مستقبل کے مسائل کے لئے کوئی لائحہ عمل تیار کرتے ہیں، نتیجتاً مسلمان من حیث القوم نکبت وذلت کا شکار ہیں، پستی سے نکلنا تو کجا مزید پستی میں گرتے جا رہے ہیں، جب کہ ہمارے پاس قرآن جیسی عظیم کتابِ ہدایت ونجات موجود ہے، کائنات انسانی کی عظیم ترین لامثال وباکمال شخصیت محمد عربی ﷺ کی سیرت اور آپ کا اسوہ، ذخیرہ احادیث کی شکل میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے اسلاف کی تاریخ فتح واقبال ہم روزانہ سنتے اور پڑھتے ہیں مگر افسوس ان چیزوں سے نہ تو کوئی سبق حاصل کرتے ہیں اور نہ عبرت۔

اس کے برخلاف ہم کبھی عالمی طاقتوں امریکہ وبرطانیہ وغیرہ کو اپنی ذلت کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور کبھی مقامی سطح پر موجود مقامی پارٹیوں اور تنظیموں کو۔ انہیں کوستے ہیں، ان کی پالیسیوں پر لعن طعن کرتے ہیں اور پھر کاسۂ گدائی لئے انہی کی چوکھٹوں پر بھیک مانگنے پہنچ جاتے ہیں، بھکاری کو اولاً دیتا ہی کون ہے اور اگر بالفرض والمحال کوئی کچھ دے بھی دے تو پانے والے کا اس سے بھلا کب ہوتا ہے کہ آئندہ اب اسے بھیک کی ضرورت نہیں رہے گی۔

آیئے ہم قرآن وحدیث کو دیکھتے ہیں کہ یہ دونوں اس نازک وتکلیف دہ صورت حال کے حوالے سے ہماری کیا رہنمائی کرتی ہیں، اپنے ماننے والوں کو کیا ہدایت دیتی ہیں، اور ان مصائب وآلام میں مبتلاء ہونے کے کیا اسباب وعلل بتلاتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: ''وَ مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ'' (شوری:۳۰) (اور تم کو [اے گناہگاروں] جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کیے ہوئے کاموں سے [پہنچتی ہے اور پھر بھی ہر گناہ پر نہیں، بلکہ بعض بعض گناہوں پر] اور بہت سی تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔) اس آیت کریمہ نے یہ بات بالکل واضح کردی کہ کوئی فرد یا جماعت جب ابتلاء وآزمائش کا شکار ہوتی ہے تو وہ اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے اس پر کسی سے شکوہ کرنے کی بجائے اپنے ہی گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ غلطی کیا ہوئی، اور اسکی تلافی کی کیا صورت ہے۔

ہم سے غلطی کیا سرزد ہوئی ہے؟ کس جرمِ عظیم کی سزا میں ہم پر ذلت وخواری مسلط کی گئی ہے؟ اور ہمارا شیرازہ منتشر کردیا گیا ہے؟ حدیث پاک ملاحظہ کیجئے:

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ یقول انا اللہ لا الہ الا انا مالک الملوک وملک الملوک قلوب الملوک فی یدی وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکھم علیھم بالرحمۃ والرافۃ وان العباد اذا عصونی حولت قلوبھم بالسخطۃ والنقمۃ فساموھم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع کی اکفیکم (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ کذا فی المشکوۃ: ۳۲۳)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی اور خدا نہیں، بادشاہوں کا مالک ہوں، اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، دنیوی سب بادشاہوں کے دل میرے قبضے میں ہیں، یادرکھو جب میرے بندے میری فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دل ان کی محبت و شفقت سے بھر دیتا ہوں (تو وہ اپنی رعایا سے محبت کرنے لگتے ہیں) اور جب میرے بندے میری نافرمانی پر کمر بستہ ہوجاتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو پھیر کر ان کے دلوں میں غصہ ناراضگی اور سختی ڈال دیتا ہوں، تو پھر وہ بادشاہ ان کو بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، لہٰذا تم اپنے بادشاہوں پر بددعاؤں کے مشغلے میں نہ لگے رہو، بلکہ سب سے پہلے اپنی اصلاح حال کی طرف توجہ کرو، تاکہ ان کی ظالمانہ حرکات سے میں خود تمہارے لئے کافی ہوجاؤں۔)

معلوم ہوا کہ یہ سب آلام ومصائب ہماری بداعمالیوں کے نتائج ہیں جو خدا کی نافرمانی کی وجہ سے بطور عذاب الٰہی ہم پر مسلط کئے گئے ہیں، ان سے نجات نہ کوئی پارٹی وتنظیم دلاسکتی ہے، اور نہ امریکہ واقوام متحدہ، حکام کے قلوب خالق کائنات کے قبضے میں ہیں، وہی ان کے دلوں میں نرمی وشفقت پیدا کرتا ہے اور وہی سختی۔

پھر کیوں نہ ہم اسی مالک الملوک سے اپنے رشتے کو مضبوط کریں جس کے دست قدرت میں حکام وامراء کے قلوب ہیں، اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کریں، آئندہ نافرمانی نہ کرنے کا عہد کریں، قرآن کو سینے سے لگائیں، نبی اکرم ﷺ کی سنت کو حرزجاں بنائیں، **المسلم اخو المسلم** (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے) کو پیش نظر رکھتے ہوئے متحد ومجتمع ہوکر سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوجائیں، حکمت عملی اور تدبر کو اختیار کرکے مستقبل کا لائحہ عمل تیار کریں، علم کو فروغ دیں، اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیں، ان کی نگرانی رکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کیا پڑھ رہے ہیں اور کس قسم کے دوستوں سے تعلق رکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی سنت پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، غریب مسلمانوں کی مدد کریں اور سب سے بڑھ کر ہم کامل ومکمل مسلمان ہوجائیں۔ یاد رہے: اللہ رب العزت سے رشتہ توڑ کر، اس کے نبی کی سنتوں کو پامال کرکے اور قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال کر ہم فلاح ونجات نہ کبھی پائے ہیں اور نہ قیامت تک نہیں پاسکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر　　　اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

درس قرآن کریم

سُوْرَةُ الْقَلَمِ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ۝ سَنَسِمُهُۥ عَلَى ٱلْخُرْطُومِ ۝ إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ۝ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ۝

ترجمہ:

(اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے جب سنائے اس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی، اب داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر۔ ہم نے ان کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا باغ والوں کو جب ان سب نے قسم کھائی کہ اس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے۔ اور انشاء اللہ نہ کہا۔ پھر پھیرا کر گیا اس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے ہی رہے۔ پھر آپس میں بولے صبح ہوتے۔ کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے۔)

تشریح وتفسیر

أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ (اس واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے) یعنی ان لوگوں میں متذکرہ بالا صفاتِ بد اس لیے پیدا ہوئیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے مال کی وسعت اور اولاد کی کثرت کی آزمائش میں ڈالا تھا۔ حالانکہ ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکرگزار، فرمانبردار اور اس کے نازل کردہ دین کے علمبردار بن کر اٹھتے۔ لیکن جب کوئی شخص دولت دنیا کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھنے کی بجائے اپنے دست و بازو کی کمائی اور دوسروں پر برتری کا ذریعہ سمجھنے لگتا ہے تو پھر اس کے اندر یہ خرابیاں آئے بغیر نہیں رہتیں۔ وہ نادار لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ کبھی اسے موت بھی آئے گی۔ اور جو کچھ اس نے مال واسباب فراہم کر رکھا ہے اور مضبوط محلات اٹھالیے ہیں، یہ ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ یہ تکبر بڑھتے بڑھتے آخر حق کی قبولیت کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اب اس کا ہدف دولت دنیا میں اضافے اور اپنے سر پر مصنوعی قلغیاں سجانے کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ حُسنِ کردار سے بھی محروم ہوجاتا ہے، ضمیر کی روشنی سے بھی تہی دامن ہوجاتا ہے اور حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کے وہ تمام سوتے جو ضمیر کی بیداری کی

وجہ سے انسان میں کام کرتے ہیں، ایک ایک کر کے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ (روح القرآن)

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ۝ (جب سنائے اس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی) یعنی مال وزر اور اولاد کی فراوانی نے اس کے مالک کے دل و دماغ میں جو غرور اور تکبر پیدا کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب اسے ان قوموں کی سرگزشتیں سنائی جاتی ہیں جو ان ہی کی طرح مال و دولت کی محبت میں اندھے ہو گئے اور اسی کو زندگی کا ہدف بنا کر حق کی ہر بات سے اعراض کرنے لگے۔ آخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ تو ان سے سبق لینے کی بجائے ان کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ تو گزشتہ قوموں کے افسانے ہیں جو تم ہمیں سناتے رہتے ہو۔ ان کا آج کی دنیا سے کیا تعلق۔ کیا اللہ تعالیٰ کے نبی کا کام یہ ہے کہ وہ گزشتہ قوموں کے افسانے سناتا پھرے، ہم ایسے شخص کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں اور نہ ہم ان افسانوں سے کوئی اثر قبول کرتے ہیں۔

سَنَسِمُهُۥ عَلَى ٱلْخُرْطُومِ۝ (اب داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر۔) یعنی ان لوگوں نے اپنے تکبر اور غرور کے باعث اپنے مزعومات اور جاہلی خیالات کو چونکہ اپنی ناک کا مسئلہ بنالیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو مال و دولت میں ہمارا ہمسر نہیں اور جسے وہ مقام حاصل نہیں جو ہمارا ہے تو اس کی دعوت قبول کرنے اور اس کی بات کو تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا پڑے گی، اس کی برتری کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا اور یہ ہماری ناک کی بلندی کے خلاف ہے۔ ہم تو اپنی ناک کو کہیں بھی نیچی نہیں ہونے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں کے غرور و تکبر نے ان میں سے ہر ایک کی ناک کو اتنا بڑا کر دیا ہے کہ اب وہ ناک نہیں بلکہ سونڈ ہے۔ اس لیے اگر اس کا ترجمہ ناکڑا کیا جائے تو حسب حال معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بڑھی ہوئی ناک جواب سونڈ یا ناکڑا بن گئی ہے جو حق کی قبولیت کو بھی اپنی توہین سمجھتی ہے، ہم عنقریب ان کے ناکڑے پر ذلت کا داغ لگائیں گے اور یا ہم ان کی ناک کو داغیں گے۔ یعنی باقاعدہ اسے آگ سے جلایا جائے گا۔ تب انھیں معلوم ہوگا کہ حق کے مقابلے میں استکبار کس قدر خطرناک بات ہے۔ (ایضاً)

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ۝ (ہم نے ان کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا باغ والوں کو جب ان سب نے قسم کھائی کہ اس کا میوہ توڑیں گے صبح ہوتے)

یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا ان اہل مکہ کو جس طرح آزمائش میں ڈالا تھا باغ والوں کو۔ سابقہ آیات میں کفار اہل مکہ کی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر طعن و تشنیع کا جواب تھا۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے پچھلے زمانے کا ایک قصہ ذکر کر کے اہل مکہ کو تنبیہ فرمائی اور عذاب سے ڈرایا۔ اہل مکہ کو آزمائش میں ڈالنے سے یہ مراد بھی ہو سکتی کہ جس طرح آئندہ آنے والے قصہ میں باغ والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، انہوں نے ناشکری کی، جس کے نتیجہ میں عذاب آ گیا اور ان کی نعمت سلب ہو گئی، حق تعالیٰ نے اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا انعام تو یہ فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے اندر پیدا فرمایا، اس کے علاوہ ان کی تجارتوں میں برکت عطا فرمائی اور ان کو خوشحال بنا دیا، یہ ان کی آزمائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان

نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہیں اور اللہ ورسول پر ایمان لاتے ہیں یا اپنے کفر وعناد پر جمے رہتے ہیں۔ دوسری صورت میں ان کو باغ والوں کے قصہ سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفران نعمت سے ان پر بھی ایسا ہی عذاب نہ آجائے۔

یہ تفسیر اس صورت میں بھی صادق ہے جبکہ ان آیات کو بھی مثل اکثر سورت کے مکی قرار دیا جائے لیکن بہت سے حضرات مفسرین نے ان آیات کو مدنی قرار دیا ہے اور جس آزمائش کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد وہ قحط کا عذاب ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا سے ان لوگوں پر (اہل مکہ پر) مسلط ہوا تھا جس میں وہ بھوک سے مرنے لگے اور مردار جانور اور درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے۔

باغ والوں کا قصہ: یہ باغ بعض سلف جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ کے قول پر یمن میں تھا اور حضرت سعید بن جبیر کی ایک روایت یہ ہے کہ صنعاء جو یمن کا مشہور شہر اور دار السلطنت ہے، اس سے چھ میل کے فاصلے پر تھا اور بعض حضرات نے اس کا محل وقوع حبشہ کو بتلایا ہے (ابن کثیر) یہ لوگ اہل کتاب میں سے تھے اور یہ واقعہ رفع عیسیٰ (علیہ السلام) کے کچھ عرصہ بعد کا ہے (قرطبی)

آیت مذکورہ میں ان کو اصحاب الجنتہ یعنی باغ والوں کے نام سے تعبیر کیا ہے، مگر مضمون آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس صرف باغ ہی نہیں بلکہ کاشت کی زمینیں بھی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ باغ کے ساتھ ہی مزروعہ زمین بھی ہو، مگر باغوں کی کثرت کے سبب باغ والے کہہ دیا گیا۔ واقعہ ان کا بروایت محمد بن مروان حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس طرح منقول ہے۔ صنعا یمن سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک باغ تھا جس کو صروان کہا جاتا تھا۔ یہ باغ ایک صالح اور نیک بندے نے لگایا تھا، اس کا عمل یہ تھا کہ جب کھیتی کاٹتا تو جو درخت درانتی سے باقی رہ جاتے تھے، ان کو فقراء ومساکین کے لئے چھوڑ دیتا تھا، یہ لوگ اس سے غلہ حاصل کر کے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اسی طرح جب کھیتی کو گاہ کو غلہ نکالتا تو جو دانہ بھوسے کیساتھ اڑ کر الگ ہو جاتا، اس دانے کو بھی فقراء و مساکین کے لئے چھوڑ دیتا تھا، اسی طرح جب باغ کے درختوں سے پھل توڑتا، تو توڑنے کے وقت جو پھل نیچے گرجاتا، وہ بھی فقراء کے لئے چھوڑ دیتا تھا (یہی وجہ تھی کہ جب اس کی کھیتی کٹنے یا پھل توڑنے کا وقت آتا تو بہت سے فقراء ومساکین جمع ہو جاتے تھے) اس مرد صالح کا انتقال ہو گیا اس کے بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے، انہوں نے آپس میں گفتگو کی کہ اب ہمارا عیال بڑھ گیا ہے اور پیداوار ان کی ضرورت سے کم ہے، اس لئے اب ان فقراء کے لئے اتنا غلہ اور پھل چھوڑ دینا ہمارے بس کی بات نہیں اور بعض روایات میں ہے کہ ان لڑکوں نے آزاد نوجوانوں کی طرح یہ کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا، اتنی بڑی مقدار غلہ اور پھل کی لوگوں کو لٹا دیتا تھا۔ ہمیں یہ طریقہ بند کرنا چاہئے۔ (معارف)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ: ان میں ایک بھائی خدا ترس بھی تھا، اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ فقراء ومساکین کو للہ دینے سے برکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے۔ اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو، اپنی تدبیر پر ناز نہ کرو۔ وہی تدابیر کو درست کرتا ہے، وہی بگاڑ دیتا ہے۔ آخر اس کی بات نہ مانی

اور بڑے سویرے اٹھ کر چلے۔ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر مصیبت آ گئی۔کوئی لوکا ایسا جھونکا چلا کہ جس نے جلا کر برباد کر دیا۔جب باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا ہوا دیکھتے ہیں۔پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس برباد باغ میں آ نکلے۔ہمارا باغ تو شاداب وتر وتازہ ہے یعنی اس کی ایسی حیثیت بگڑ گئی تھی کہ یکا یک پہچان بھی نہ سکے،مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے۔اس پر آسمانی مصیبت آ پڑی۔پھر تو باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک دوسرے کو کہنے لگا تو نے یہ صلاح دی تھی۔وہ کہنے لگا تو نے ہی تو کہا تھا۔اس مرد باخدا نے کہا کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو اور اس کی تسبیح وتقدیس کو نہ بھولو۔پھر کہنے لگے بے شک ہم خطاوار تھے اور ہمارے رب کی پاک ذات ہے۔ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں۔امید ہے کہ ہمارا خدا اس سے بہتر دے۔چنانچہ اس کے بعد خدا نے اس باغ میں بڑی برکت دی۔ابوخالد یمانی کہتے ہیں کہ میں نے وہ باغ دیکھا ہے جس میں ایک خوشہ انگور کا ایسا تھا کہ جیسا سیاہ آدمی کھڑا ہو۔(حقانی) پورے واقعہ کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝ (اور انشاء اللہ نہ کہا) یعنی انہوں نے آپس میں حلف قسم کر کے یہ عہد کیا کہ اب کی مرتبہ ہم صبح سویرے ہی جا کر کھیتی کاٹ لیں گے،تا کہ مساکین وفقراء کو خبر نہ ہو اور وہ ساتھ نہ لگ لیں اور اپنے اس منصوبے پر ان کو اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوئی جیسا کہ سنت ہے کہ کل جو کام کرنا ہے جب اس کا ذکر کرے تو یوں کہے کہ ہم انشاء اللہ کل یہ کام کریں گے۔(معارف) بعض حضرات مفسرین نے استثناء سے مراد یہ لیا ہے کہ ہم پورا پورا غلہ اور پھل لے آویں گے فقراء کا حصہ مستثنیٰ نہ کریں گے۔(مظہری)

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ (پھر پھیرا کر گیا اس (باغ) پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے ہی رہے) پھرنے والے سے مراد کوئی بلا اور آفت ہے،جس سے کھیتی اور باغ تباہ ہو جائے۔بعض روایات میں ہے کہ وہ ایک آگ تھی جس نے سب کھڑی کھیتی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا اور وہ سوتے ہی رہے یعنی یہ واقعہ نزول عذاب کا رات کو اس وقت ہوا جبکہ یہ لوگ محوخواب تھے۔

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ (پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا) صرم کے معنی پھل وغیرہ کاٹنے کے ہیں۔" صریم" بمعنی"مصروم ومقطوع"ہے،مطلب یہ ہے کہ آگ نے اس کھیتی کو ایسا بنا دیا کہ جیسے کھیتی کاٹ لینے کے بعد صاف زمین رہ جاتی ہے اور صریم کے معنی رات کے بھی آتے ہیں اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جیسے رات تاریک سیاہ ہوتی ہے یہ کھیتی بھی خاک سیاہ ہوگئی(مظہری)

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝ (پھر آپس میں بولے صبح ہوتے) یعنی صبح اندھیرے سے آپس میں ایک دوسرے کو آواز دے کر جگانے لگے کہ اگر کھیتی کاٹنا ہے تو سویرے چلو۔

أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ۝ (کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے)

مقالات ومضامین

حلال و پاکیزہ غذا

مولانا عرفان ثاقب قاسمی

جو کچھ ہم کھاتے پیتے ہیں، جس طرح اس کے اثرات صحت و بیماری کے اعتبار سے ہمارے جسم پر رونما ہوتے ہیں کہ صحت مند غذا سے قوت وتوانائی حاصل ہوتی ہے اور مضر ونقصان دہ غذا سے خون فاسد ہوجاتا ہے اور طبیعت خراب ہوجاتی ہے، اسی طرح اس کے اثرات ہماری روح، ہماری فکر اور ہماری سوچ پر بھی پڑتے ہیں، چنانچہ غذا اگر پاک وصاف اور حلال وطیب ہوگئی تو روح کو تازگی ،قلب کو سرور حاصل ہوگا، اور اعمال حسنہ کی طرف دل مائل ہوگا، جبکہ ناپاک، گندی اور حرام غذا انسان کو انسانیت سے نکال کر حیوانیت میں داخل کردیتی ہے، اس کے مزاج کو آلودہ اور طبیعت کو خبیث بنادیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں طیب اور پاکیزہ غذا کو بنیادی حیثیت ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تعالٰی عَنهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ”اِنَّ اللّٰه تعالٰی طَیِّبٌ لَایَقْبَلُ اِلَّاطَیِّباً، وَاِنَّ اللّٰه تعالٰی اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ، فَقَالَ تعالٰی، ”یَآاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً. . . الایة“ وَقَالَ تعالٰی ”یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَشْکُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ “ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَاءِ یَارَبِّ یَارَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذَالِکَ؟ (رواہ مسلم)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بے شک اللہ پاک ہے، نہیں قبول کرتا مگر پاک چیز، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کا حکم کیا جس کا حکم رسولوں کو کیا، چنانچہ اس کا ارشاد ہے: اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک“ اسی طرح فرمایا: ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم (واقعی) اسی کی بندگی کرتے ہو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر طے کرتا ہے، پراگندہ بال اور خاک آلودہ حالت میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے، اے میرے رب! اے میرے رب! (دعا کرتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، پوشاک حرام کی، اور اسے غذا حرام کی ملی، تو پھر اس کے لئے استجابت (اور قبولیت) کہاں سے آئے؟۔)

اس حدیث شریف میں حلال کھانے اور حلال کمانے کی ترغیب وتلقین ہے اور حرام خوری سے دور رہنے کی تاکید ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انتہائی طیب وپاک ذات ہے، کیوں کہ وہی ہر طیب اور پاکیزہ چیز کا خالق ہے، لہٰذا اس کے یہاں صرف وہی چیز قابل قبول ہوسکے گی جو طیب اور پاکیزہ ہوگی، کوئی غیر طیب اور خبیث چیز اس

کے یہاں قبول ہونے کی نہیں، دل ودماغ، زبان وبیان اور اعضاء وجوارح سے تعلق رکھنے والی صرف وہی چیز اس کے یہاں قبولیت اور باریابی کا شرف پاسکے گی، جو خالص طیب ہوگی، دل میں موجود وہی عقیدہ اس کے یہاں قبول ہوگا جو کفر وشرک اور غل وغش کی ہر آمیزش سے پاک وصاف ہوگا، زبان وبیان کی وہی پونجی وہاں شرف باریابی حاصل کرسکے گی، جو ذکر خالص اور قول طیب کے قبیل سے ہوگی، اعضاء وجوارح سے صادر ہونے والے صرف وہی اعمال وافعال اس کے یہاں مقبول ہوں گے جو بدعت اور مخالفت سنت کی ہر میل سے پاک ہوں گے اور صدقہ وخیرات کے لیے اسی دولت کے قبول ہونے کی امید کی جاسکتی ہے، جو حلال محض اور پاکیزہ وستھری ہوگی۔

لہٰذا مومن کو چاہئے کہ وہ محفوظ رکھے اپنے دل کو برے اعتقاد سے، اپنی زبان کو بری باتوں سے، اپنے اعضاء وجوارح کو برے اعمال سے اور اپنے صدقے وخیرات کو حرام کی آمیزش سے، یعنی شرک وکفر، ریاء ونمود، احداث وبدعت اور حرمت واشتباہ کی ہر میل اور کھوٹ سے بچ کر رہے اور ہر اعتبار سے طیب وخالص وستھرا وپاکیزہ بن کر اس کی بارگاہ قدس میں حاضر ہو تب قبولیت وعنایت سے مشرف ہوسکے گا۔

اسلامی تعلیمات کے رو سے ہر چیز اور ہر شیء میں طیب اور پاکیزہ ہونے کی شرط بنیادی حیثیت کی حامل ہے، لیکن خاص کر حلال کھانے کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے کیوں کہ یہ مرکزی اور بنیادی امر ہے جہاں حلال کھانے کی بڑی برکت ہے، وہاں حرام کھانے کی بڑی نحوست بھی ہے۔

امام طبرانی نے معجم میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ''یٰاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا'' (البقرۃ:۱۶۷) (اے لوگو کھاؤ ان چیزوں سے جو زمین میں ہیں حلال اور پاک) تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنادے یعنی میں جو دعا مانگوں وہ قبول ہوجایا کرے، اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یا سعد اطب مطعمک تکن مستجاب الدعوۃ و الذی نفس محمد بیدہ ان العبد لیقذف اللقمة الحرام فی جوفه، مایتقبل اللہ منه عملاً اربعین یوما، و ایما عبد نبت لحمه من سحت فالنار اولی به''۔

اے سعد! اپنی خوراک حلال رکھو مستجاب الدعوات ہوجاؤ گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، آدمی لقمہ حرام پیٹ میں ڈالتا ہے، تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس آدمی کا گوشت حرام سے بنا ہو پس (جہنم کی) آگ اس کے لیے زیادہ سزاوار ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

الحادی سرگرمیاں اور ہیلپ ایکس مسلم

مولانا محمد راشد گورکھپوری
استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اسلام کا حسن

اسلام ایک ابدی دین اور خدا کی طرف سے نازل کردہ کامل ومکمل مذہب ہے، اس میں اللہ نے جو کشش وجاذبیت اور حسن و جمال اور کمال واعتدال رکھا ہے، وہ لوگوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا، اسلام کی اسی مقناطیسی قوت سے خائف ہوکر معاندین اسلام کی طرف سے مذہب اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات واشکالات کیے جاتے ہیں اور شکوک وشبہات کے تیر چلائے جاتے ہیں، مذہب اسلام سے اپنوں کو برگشتہ کرنے کے لیے اور غیروں کو متنفر کرنے کے لیے اسلام کے بنیادی عقائد ومسائل کو موضوع گفتگو بنا کر کبھی خدا کے وجود پر سوال اٹھایا جاتا ہے، تو کبھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کو نشانہ بنایا جاتا ہے، کبھی قران پاک کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے تو کبھی طلاق، حلالہ، تعدد ازواج وغیرہ اسلامی احکام کے حوالے سے سادہ لوح عوام اور خالی الذہن لوگوں کے قلوب میں شکوک وشبہات کے بیج بو کر انہیں دین حق سے دور کرنے کی ناپاک کوشش کی جاتی ہے۔

ملحدین کا مقصد

دور حاضر میں ''ایکس مسلم'' کے نام سے شوشل میڈیا پر کچھ لوگ سرگرم ہیں جو اسی طرح کی الحادی سرگرمیوں میں ملوث ہیں، تخریب کاروں کے اس گروہ کا مقصد راہ حق کی تلاش نہیں، بلکہ اس پر چلنے والوں کو بہکانا یا دیگر لوگوں کو راہ حق سے دور رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کو شاید اس کا احساس نہیں کہ:

اسلام وہ پودا ہے کاٹو گے ہرا ہوگا
تم جتنا دباؤ گے، یہ اس کے سوا ہوگا

وہ اپنے آپ کو تارک اسلام اور دین سے پھر جانے والا باور کراتے ہیں حالانکہ وہ پہلے ہی سے اسلام بیزار ہوتے ہیں، ان کا نظریہ یہ ہے کہ لوگوں پر کسی آسمانی قانون اور مذہبی احکام کی پابندی نہیں ہونی چاہیے، جائز، ناجائز ہر قسم کی خواہش کی تکمیل کی آزادی رہنی چاہیے، بالفاظ دیگر ان کا مطالبہ یہ ہے کہ شرافت انسانی کے اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انسان کو جانوروں کی طرح زندگی گزارنے کی آزادی ملنی چاہیے، اسلام جو کہ انسانی اقدار وروایات کا پاس ولحاظ رکھتا ہے، اور آخرت کی جزا وسزا کے تصور کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں مذہبی رہنمائی فراہم کرتا ہے اور مزعومہ آزادی اور بے راہ

روی پر حلال وحرام کی لگام کستا ہے، اور ملحدین کی من مانی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، اس لیے ایسے لوگوں کو اسلامی تعلیمات میں خامیاں نظر آتی ہیں۔ اپنے بعض اکابر کی فرمائش اور بعض مخلصین کی خواہش پر تقاضا ہوا کہ یہاں مختصر طور پر الحاد اور ملحدین کا تعارف پیش کر کے ان کے مختلف باطل افکار ونظریات میں سے صرف ایک باطل نظریے کا علمی تجزیہ اور تحقیقی رد قارئین کی نذر کر دی جائے اور ساتھ ہی اہل حق کے اس معتبر پلیٹ فارم کی رہنمائی بھی کر دی جائے جس سے وابستہ ہو کر باذن اللہ اپنے دین وایمان کی حفاظت کی جا سکتی ہے اور دینی پہلو سے پیش آنے والے ہر قسم کے شکوک وشبہات کو دور کیا جا سکتا ہے۔

مصباح اللغات میں ہے: **الحد الحادا عن الدین**: دین سے ہٹنا، الحاد ''**الحد**'' کا مصدر ہے بمعنی کفر اور بے دینی، ملحد: کافر بے دین۔ ج: ملاحدہ۔ ملحدون: کافروں کی ایک جماعت جس کو دہریہ کہتے ہیں۔

غیاث اللغات میں ہے: ''**ملحد**'' بضم میم وکسر حائے مہملہ: از راہ حق برگشتند وفاسق وبے دین۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ملحد کے معنی کجرو کے ہیں، پھر اگر کجروی درجہ کفر تک پہنچ جائے تو ملحد کافر ہوگا اور اگر درجہ کفر تک نہ پہنچے تو ملحد غیر کافر ہوگا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے الحاد کے معنی بیان کیے ہیں: ''**وضع الکلام علی غیر مواضعه**'' یعنی کلام کو اس کے محل کے علاوہ پر محمول کرنا۔ مفسر قرآن کے بیان کردہ معنی کی رو سے اس میں وہ تمام باطل فرقے بھی آجاتے ہیں جو اپنے غلط عقائد ونظریات کے اثبات کے لیے آیات الٰہی میں تحریف معنوی اور دجل وتلبیس سے کام لیتے ہیں، بہر حال ملحدین خواہ وہ کسی بھی قسم سے تعلق رکھتے ہوں، ان کے لیے سخت وعید ہے، قران پاک میں ملحدین کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''**اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ۭ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ**'' (سورہ حم سجدہ، آیت نمبر: ۴۰ پارہ: ۲۴)

(بے شک جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری آیتوں میں وہ ہم پر مخفی نہیں، بھلا وہ شخص جس کو ڈالا جائے گا دوزخ میں وہ بہتر ہے یا وہ جو آئے گا امن کے ساتھ قیامت کے دن، عمل کرو جو کچھ تم چاہتے ہو، بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھنے والا ہے)

نظریہ ملحدین

زیر تذکرہ ملحدین کے باطل افکار ونظریات میں سب سے زیادہ بدترین اور گمراہ کن نظریہ ''نظریہ دہریت'' ہے، اس فرقے کا تعارف عربی اردو لغت کی مشہور کتاب ''مصباح اللغات'' میں بایں الفاظ درج ہے: ''**الدهر**'': زمانہ طویل، ''**الدهری**'': بددین جو عالم کے قدیم وغیر مخلوق ہونے کا قائل ہو، ''**الدهریة**'': ایک فرقہ جو عالم کے قدیم ہونے کا قائل تھا، (ایسے لوگوں کو سنسکرت میں ناستک اور انگریزی میں اتھیسٹ (Atheist) کہا جاتا ہے)

یہ ملحدین ایک بدیہی حقیقت اللہ کی ہستی کے منکر ہیں، ان کے مطابق عالم قدیم اور غیر فانی ہے، اور لیل ونہار کی گردش زمانہ کے تصرف کا نتیجہ ہے، کسی ہستی کا اس میں دخل نہیں، اس فکر کے لوگ قرآن کے زمانہ نزول میں بھی موجود تھے،

چنانچہ قرآن پاک نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ'' (جاثیہ: ۲۴) یعنی دنیا کی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، بس یہی ایک جہاں ہے جس میں ہمارا جینا اور مرنا ہے، جیسے بارش ہونے پر زمین سے سبزہ اگتا ہے، پھر سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر روئیدگی ہوتی ہے، کچھ دنوں میں اس کا بھی نام ونشان مٹ جاتا ہے، روئیدگی اور فنا کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے، یہی حال انسان کا ہے کہ انسان پیدا ہوتا ہے، ایک مقررہ وقت تک زندہ رہتا ہے، پھر گردش زمانہ سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے، موت وحیات کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا، دنیا کبھی ختم نہیں ہوگی۔ یہ نظریہ رکھنے والوں کو ''دہریہ'' کہا جاتا ہے، دہر کے معنی زمانہ کے ہیں اور دہریہ سے مراد یہ ہے کہ وہ دہر یعنی زمانہ ہی کو قدرت کا سرچشمہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کائنات میں جو بھی تصرف ہو رہا ہے وہ گردش زمانہ کا اثر ہے۔

قران وحدیث سے تردید

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کے زمانہ نزول میں بھی ایسے لوگ موجود تھے، جو موت وزیست کو زمانے کی طرف منسوب کرتے تھے اور اسے متصرف فی الکائنات قرار دیتے ہوئے کہتے تھے کہ ہمیں زمانہ ہلاک کرتا ہے، قرآن نے جگہ جگہ اس نظریہ کا رد کیا ہے اور بداہتاً وعقلاً اس کا باطل ہونا بیان کیا ہے، کیونکہ زمانہ میں نہ حس ہے، نہ شعور، نہ ارادہ کی قوت ہے، نہ فہم کی صلاحیت، بلکہ یہ خود ایک مخلوق ہے اور اللہ ہی اسے بدلتا ہے۔

''وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ'' -سورۂ آل عمران، آیت: ۱۴۰- (ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔

'' قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ'' -سورۂ رعد، آیت: ۱۶- (آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہی ایسا ہے کہ سب پر غالب ہے)

اور حدیث میں ہے: **قال اللہ عز وجل: یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر، بیدی الامر، اقلب اللیل والنھار۔** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے، وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، اور میں زمانہ کو بدلنے والا ہوں، میرے ہی ہاتھ میں اختیار ہے، رات اور دن کو میں ہی تبدیل کرتا ہوں۔

ایک دوسرے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے: ''**لاتسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر**'' زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ اللہ ہی زمانے کا خالق ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ ہی پوری کائنات کا خالق اور ساری کائنات اس کے زیر تصرف ہے، یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس کا انکار سوائے متعنت کے کوئی نہیں کر سکتا۔

عقلی دلائل

صحابی رسول حضرت لبید ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''فی کل شئ لہ آیۃ تدل علی انہ واحد''یعنی ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ایک شاعر کہتا ہے:

ہر گیاہے کہ از زمیں روید وحدہ لاشریک لہ گوید

زمین سے نکلنے والا ہر پودا یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،تو اللہ کا وجود اور اس کی وحدانیت دونوں باتیں منقول کے ساتھ معقول بھی ہیں، یہ بات فطرت انسانی میں ایسی نقش ہے کہ سوائے اس شخص کے کہ جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہو؛ جھٹلا نہیں سکتا، یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کو بھی اس کا علم ہے، چنانچہ اسلام اور عقلیات میں ہے کہ: ''ایک نہ سمجھ بچے کو پیچھے سے ایک کنکری مارو،تو وہ مڑ کر دیکھے گا اور تلاش کرے گا کہ کس نے ماری، اور اگر کوئی موجود ہوگا تو اس کے سر ہو جائے گا کہ تو نے ماری ہے، اور وہ شخص یہ کہہ کر پیچھا نہیں چھڑا سکتا کہ میں نے نہیں ماری ہے خود سے لگ گئی، اس کو کوئی اس سے لاکھ منوائے؛ لیکن اس کی طبیعت قبول نہیں کرے گی کہ ایک کنکری بلا مارنے والے کے لگ سکتی ہے، اس کی بنا اسی پر تو ہے کہ اس کے ذہن میں خلقۃً یہ اصول مرکوز ہے کہ کوئی فعل بغیر فاعل نہیں ہو سکتا، اسی کا نام ''اقرار صانع'' ہے، ثابت ہوا کہ خدا کا فاعل ہونا فطری امر ہے۔

ایک دیہاتی سے کسی نے اللہ کے وجود کی دلیل طلب کی تو اس نے بڑا معقول جواب دیتے ہوئے کہا:

''**البعرۃ تدل علی البعیر و آثار الاقدام تدل علی المسیر فالسماء ذات ابراج والارض ذات فجاج والبحار ذات امواج کیف لا تدل علی وجود اللطیف الخبیر**''(مینگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے،یعنی مینگنی کا نظر آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ ضرور اونٹ یہاں سے گزرا ہے، اور قدموں کے نشان کسی گزرنے والے کا پتہ دیتے ہیں، پھر یہ کیا بات ہوئی کہ بڑے بڑے برجوں والا آسمان اور بڑی بڑی گھاٹیوں والی زمین اور موجوں والے سمندر کسی لطیف وخبیر ذات کے وجود پر دلالت نہ کریں؟''

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب ایک قلم، ایک موبائل، اور ایک جہاز بغیر موجد کے وجود میں نہیں آسکتے،تو زمین، آسمان، سورج، ستارے اور لمبی چوڑی کائنات بغیر موجد کے کیسے وجود میں آسکتی ہے؟ اسی موجد کا نام اللہ ہے۔

''**اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ**''(اعراف:۵۴)

قران فطرت انسانی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے:''**اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ**''(سورۃ ابراھیم:۱۰)(کیا اللہ کے متعلق کوئی شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے)

دوسرے مقام پر ایک معقول کلیہ بیان کرتے ہوئے قرآن ناطق ہے:''**اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ**''(الطور:۳۵)(کیا وہ کسی شے کے بغیر ہی پیدا کر دیے گئے ہیں یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟)

ملحدین کہتے ہیں کہ دنیا قوانین فطرت کے تحت چل رہی ہے، اور یہ دنیا اور اس کا نظام ارتقاء کا نتیجہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کو ارتقاء کا نتیجہ کہہ کر خدا کی ہستی کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا امر خداوندی کے تحت نظام کائنات کے چلنے کو اور اللہ کے متصرف فی الکائنات ہونے کو رد کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ارتقا خود ایک قانون ہے، اور ہر قانون کو ایک قانون ساز کی ضرورت ہے، سورج کی حرارت، چاند کا چاندنا، ستاروں کی جگمگاہٹ، ہواؤں کے تھپیڑے، سمندروں کی لہریں، بادلوں کی گرج، بجلیوں کی چمک، رات اور دن کی گردش، موسم سرما و گرما کی آمد و رفت، انسانی جسم میں موجود اربوں خلیے، اور ہر خلیے میں ڈی، این، اے (D N A) کا ہونا، اور اس میں اربوں معلومات کا محفوظ ہونا، دل کا ہر لمحہ دھڑکتے رہنا، پھیپھڑوں کا آکسیجن فراہم کرنا، جانوروں کی طبیعت میں باہم فرق ہونا، بکری کا گوشت نہ کھانا، شیر کا گھاس نہ کھانا، شہد کی مکھیوں میں انسانوں کی طرح نظام حکومت کا پایا جانا، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ثریٰ سے لے کر ثریا تک بے شمار مخلوقات کی پیدائش اور ان کی جدا جدا خصوصیات کیا یہ سب اتفاقات ہیں؟ اور ان کا کوئی خالق اور محرک نہیں ہے؟ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی دماغ کا بنایا ہوا جو ٹریفک قانون ہے، کہ ہری بتی پر چلنا ہے، لال بتی پر رکنا ہے، یہ قانون ازخود گاڑیوں کو نہیں روکتا؛ بلکہ قانون پر چلانے کے لیے حکومت اور پولیس کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح قوانین فطرت موجود ہیں؛ لیکن انہیں لاگو کرنے والی ایک طاقت موجود ہے، اسی کو ہم خالق اور خدا کہتے ہیں۔

لو اپنے دام میں صیاد آ گیا

انکار خدا پر اہل الحاد اور دہریہ کا یہ کہنا کہ خدا دکھائی نہیں دیتا اس لیے ہم نہیں مانتے؛ یہ غیر معقول ہونے کے ساتھ ان کے اپنے اصول اور تھیوری کی بھی خلاف ہے، کیونکہ یہ لوگ نظریہ ارتقاء کے قائل ہیں، مگر اس کا مشاہدہ بھی انہوں نے نہیں کیا ہے، لطف کی بات تو یہ ہے کہ کوئی ملحد مشاہدہ کی قید کے ساتھ اپنی پیدائش کے واقعات بھی بیان نہیں کر سکتا، ڈارون نے بندر سے ترقی کر کے انسان بننے کا نظریہ پیش کیا، مگر اس نے بھی اس کا مشاہدہ نہیں کیا، چہ جائیکہ دوسرے منکرین خدا و ملحدین!

اس طرح ملحدین خود ساختہ اصولوں کی وجہ سے ان چیزوں میں خود ہی پھنس جاتے ہیں جن سے وہ بچنا چاہتے ہیں، اور جس تاریکی و اندھ بھکتی کا طعنہ وہ مسلمانوں کو دیتے ہیں اس سے زیادہ بری طرح وہ تاریک خیالی و اندھ بھکتی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیّاد آ گیا

موجودہ دور میں جب کہ ملحدین کی طرف سے طرح طرح کے شکوک و شبہات کے ذریعے اسلام کی شبیہ بگاڑنے کی کوشش ہو رہی ہے اور ''ایکس مسلم'' کے نام پر سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم سے شبہات پھیلا کر مسلمانوں کا ایمان سلب کرنے کی مہم چل رہی ہے، ضرورت ہے کہ اپنی اپنی بساط کے مطابق دفاع اسلام کا فریضہ انجام دیا جائے۔

اُمت سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندیشے

مولانا احمد سعید

بربادی اور ہلاکت کے اہم اسباب

کوئی شخص کسی کے ساتھ کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو،مگر جب تک دوسرا شخص بھی اپنی زندگی کو سنجیدگی سے نہ لے،تب تک تنہا پہلے کا احساس وفکر پوری طرح فائدہ نہیں دے سکتا،یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمارے لیے بے شمار آنسو بہانے اور سفارش کرنے کے باوجود پھر بھی ہمیں اس سہارے زندگی گزارنا کہ بس ہم جو مرضی کرلیں،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بچالیں گے بالکل درست نہیں، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات کو عمل میں لایا جائے، بالخصوص جن چیزوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمت کی بربادی کا خوف واندیشہ تھا،اُن سے بچا جائے،تاکہ امتی کی جانب سے عشقِ حقیقی کا حق ادا ہو،جن میں سے چند یہ ہیں:

دنیا کی محبت ورغبت

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ کی قسم!میں تمہارے (تھوڑے سے نہ کہ حد سے زیادہ) فقر وافلاس سے نہیں ڈرتا، بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر تم سے پہلے لوگوں کی طرح دنیا کشادہ کردی جائے، پھر تم پہلے لوگوں کی طرح دنیا کی محبت ورغبت میں گرفتار ہوجاؤ گے اور یہ دنیا پھر تم کو پہلے لوگوں کی طرح ہلاک کردے گی۔''(بخاری،مسلم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''میں اپنے دنیا سے جانے کے بعد تمہارے بارے میں جن چیزوں سے ڈرتا ہوں،ان میں دنیا کی تروتازگی اور زینت بھی ہے (جو فتوحات حاصل ہونے کے بعد) تمہارے سامنے آئے گی۔''(بخاری،مسلم)

مخفی شرک: ریاکاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''میں اپنی اُمت پر مخفی (چھپے ہوئے) شرک اور مخفی خواہشات سے ڈرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ فرمایا: ہاں،خبردار! میری اُمت سورج، چاند اور پتھر کی عبادت تو نہ کرے گی اور نہ بتوں کے آگے سجدہ کرے گی،البتہ اپنے اچھے کام لوگوں کو دکھائے گی۔ اور مخفی خواہشات یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص صبح روزہ دار اُٹھے گا، پھر نفسانی خواہشات میں سے کوئی خواہش (کھانا پینا یا صحبت) پیش آجائے گی تو وہ روزہ توڑدے گا۔''(مسند احمد)

قرآن سے دوری اور دوسروں پر شرک کا الزام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا ڈر ہے وہ ایک ایسے آدمی کا ہے جس نے قرآن پڑھا، یہاں تک کہ اس پر قرآن کا جمال بھی دکھائی دیا اور جب تک اللہ نے چاہا، وہ غیروں کے مقابلے میں اسلام کا پشت پناہ بھی رہا (مگر) پھر وہ قرآن سے دور ہو گیا اور اسے اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا اور اپنے پڑوسی پر تلوار لے کر چڑھ دوڑا اور اس پر شرک کا الزام لگا دیا۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے نبی! ان دونوں میں سے شرک کے زیادہ قریب کون ہوگا؟ الزام لگانے والا یا جس پر الزام لگایا گیا؟ فرمایا: الزام لگانے والا۔'' (ابن حبان)

نااہل حکمران، قتل، فیصلہ میں ناانصافی، قطع رحمی، گانے کے طرز پر قرآن کی تلاوت، وزیر و مشیر

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''میں تم سے متعلق چھ چیزوں کے بارے میں ڈرتا ہوں: ۱- نااہلوں کے حکمران بننے سے، ۲- (ناحق) خون بہانے سے، ۳- (قاضیوں کے) فیصلے بیچنے سے، ۴- رشتہ داریوں کے توڑنے سے، ۵- نوجوانوں کے گانے کے انداز پر قرآن پڑھنے سے، ۶- مشیروں وزیروں کے بڑھ جانے سے (جس سے ظلم بڑھ جائے گا)۔'' (الجامع الصغیر)

گمراہ کرنے والے حکمران

شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنی امت پر گمراہ کرنے والے اماموں (حکمرانوں) سے ڈرتا ہوں۔'' (ترمذی) یعنی جب ایسا ہوگا تو امت میں بہت فساد پھیلے گا۔

خواہش نفس اور لمبی آرزو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت کے متعلق سب سے زیادہ ڈر خواہشِ نفس اور لمبی آرزو کا ہے۔ خواہشِ نفس حق سے روک لیتی ہے، جبکہ لمبی آرزو آخرت بھلا دیتی ہے۔'' (بیہقی)

قومِ لوط کا عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی اُمت کے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز کا ڈر ہے وہ قومِ لوط کے عمل (ہم جنس پرستی) کا ہے۔'' (ترمذی، ابنِ ماجہ)

زبان کی تیز طراری

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اس امت کے حوالے سے سب سے زیادہ مجھے جس چیز کا ڈر ہے، وہ ہر اس منافق کا ہے جو زبان کی تیز طراری کا ماہر ہو۔'' (مسند احمد)

عالم کا پھسلنا، قرآن میں جھگڑنا، تقدیر کا انکار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر ۳ چیزوں کا ڈر ہے: ۱- عالم کے پھسلنے کا (دین کے معاملے میں)، ۲- منافق کے قرآن کے بارے میں جھگڑا کرنے کا، ۳- تقدیر کے جھٹلانے کا۔'' (طبرانی کبیر)

بخل، اتباعِ نفس، حکمران کی گمراہی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں کا ڈر ہے: ۱- انتہائی کنجوسی کا، ۲- خواہشِ نفس کا جس کی پیروی کی جائے، ۳- گمراہ حکمران کا۔'' (مسند بزار)

پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا ڈر ہے وہ تمہارے پیٹوں اور تمہاری شرمگاہوں کی گمراہ کرنے والی خواہشات ہیں۔'' (مسند احمد)

زنا اور چھپی ہوئی شہوت

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''بے شک مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر ہے، وہ زنا اور چھپی ہوئی شہوت (دل میں برے خیالات پالنا) ہے۔'' (صحیح الترغیب، طبرانی)

تقدیر کو جھٹلانا اور ستاروں کی تصدیق

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''مجھے اپنے بعد اُمت کے بارے میں تقدیر کو جھٹلانے اور ستاروں کی تصدیق (ان کو مؤثرِ حقیقی سمجھنے) کا ڈر ہے۔'' (مسند احمد)

فتنے، آپس کی لڑائیاں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تم پر دجال کے سوا اور باتوں (فتنوں، آپس کی لڑائیوں) کا ڈر زیادہ ہے۔'' (مسلم)

سود میں ابتلاء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تمہارے سود میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے۔'' (مسند احمد)

زبان کی بے احتیاطی

سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! میرے بارے میں آپ کو کس چیز کا زیادہ ڈر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: ''اسی کا خوف زیادہ ہے۔'' (ترمذی)

بھارت کی تعمیر وترقی میں مسلمانوں کا حصہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اسلام نے ہمیں جن چیزوں کی محبت کا سبق دیا ہے، ان میں سے ایک اپنا وطن بھی ہے، رسول اللہ ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے، تو ٹوٹ کر اپنے شہر سے محبت فرمائی، جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''تو مجھے بہت عزیز تھا، میں تجھ کو چھوڑنے کا روادار نہیں تھا؛ مگر تیرے باشندوں نے مجھے یہاں رہنے نہیں دیا''۔ (سنن ترمذی: حدیث نمبر ۳۹۲۵، ابن ماجہ: ۳۱۰۸)

جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو اس دوراہے پر جہاں سے مکہ کا راستہ نکلتا تھا، آپ ﷺ نے حسرت بھری نگاہ ڈالی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا: ''جلد ہی آپ کا پروردگار آپ کو آپ کے وطن کی طرف لوٹائے گا'' (القصص: ۸۵) چنانچہ ہجرت کے آٹھ سال بعد اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح مکہ کی شکل میں پورا ہوا، آپ ﷺ کے رفقاء عالی مقام کا مکہ مکرمہ سے محبت کا حال یہ تھا کہ مدینہ میں ان کی طبیعت خراب ہوگئی، وہ بیماری کی شدت میں مکہ کی ایک ایک چیز کو یاد کرتے تھے، یہاں تک کہ مکہ کے پہاڑوں کا، گھاس اور جڑی بوٹیوں کا بھی ذکر کرتے تھے؛ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۷۹۰) لیکن اس وجہ سے کوئی مدینہ چھوڑ کر نہیں گیا۔ پھر جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو اپنے قیام کا شرف بخشا تو آپ نے اس نئے وطن سے بھی بھرپور محبت فرمائی، جب آپ کہیں سفر پر جاتے اور واپس ہوتے ہوئے اُحد پہاڑ پر نظر پڑتی تو آپ ﷺ کا چہرہ کھِل اُٹھتا اور شدت اشتیاق میں آپ ﷺ کی سواری کی رفتار تیز ہوجاتی، (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۷۰۸) یہ مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ جہاں جائیں، جہاں قیام کریں، جس خطہ کو اپنا مسکن بنائیں اور جن فضاؤں میں اپنی زندگی گزاریں، ان سے انس اور محبت ہونی چاہیے؛ اس لیے مسلمان دنیا کے جس خطہ میں گئے اور جہاں بس گئے، اس کو اپنے محبوب وطن کی نظر سے دیکھا اور دل کی گہرائیوں سے اس سے محبت کی۔

بھارت خود اس کی ایک واضح مثال ہے، یہاں مشہور فاتح سکندر بھی آیا، یوروپ کی مختلف قومیں آئیں، انگریز بھی آئے، پرتگالی بھی آئے؛ مگر انہوں نے اپنا طریقہ یہ رکھا کہ یہاں کی دولت سمیٹتے، اور لے کر اپنے ملک چلے جاتے، مسلمان جب اس ملک میں آئے تو وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے، انہوں نے یہیں جینے اور مرنے کا فیصلہ کیا اور اس ملک کے دکھ اور سکھ میں برابر کے شریک رہے، اس کی تعمیر وترقی میں حصہ لیا اور اس کے لیے عظیم تر قربانیاں دیں۔

اِس تحریر کا اصل محرک یہی ہے کہ دنیا پر یہ بات واضح کردی جائے کہ ہم اس نبی ﷺ کی اُمت ہیں، جس نے اپنے وطن سے محبت کرنا سکھایا ہے اور جس نے ہمیشہ وطن عزیز کی خدمت کی ہے، اور اس کا نام ہمیشہ اونچا کرنے کی کوشش کی

ہے،اس ملک میں اسلام دوطرف سے آیا ہے،ایک طرف مالا بار کے ساحل سے،یہ عرب تاجروں کا قافلہ تھا جو جنوبی ہند کے ساحلوں سے لے کر سری لنکا تک پھیل گئے تھے،بظاہر اس کا مقصد تجارت اور خرید وفروخت تھی؛ مگر انہوں نے دل کی غذا اور دوا بھی لوگوں میں تقسیم کی،لوگوں نے ان کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا؛ بلکہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوکر محبت کی نگاہوں سے ان کا استقبال کیا، یہاں تک کہ ظلم وجور اور نابرابری کی جس فضا میں یہاں کے لوگ زندگی گزارنے پر مجبور تھے،اس میں ان کو یہ فرشتۂ رحمت معلوم ہوئے۔

جنوبی ہند کے علاقہ میں ''نائر'' نام کی اونچی ذات تھی اور نیچی ذات والے ''پولیا'' کہلاتے تھے، نائر نیچی ذات والے لوگوں کو بہت ہی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر نیچی ذات کے کسی آدمی کا ہاتھ،اونچی ذات کے کسی آدمی کو لگ گیا، یا اس کا سایہ اس پر پڑ گیا تو جب تک اونچی ذات کا آدمی غسل کر کے اپنا کپڑا بدل نہیں لیتا،اپنے آپ کو ناپاک سمجھتا اور یہ ایک ایسا جرم تھا کہ حکومت کی جانب سے اس پر سزا دی جاتی؛ چنانچہ یہ بے چارے ''پولیو'' جب راستہ سے گزرتے تو 'پولو، پولو' کی آواز نکالتے ہوئے گزارتے؛ تاکہ اگر کوئی نائر آرہا ہو تو وہ کنارے ہوجائے اور اس پر اس کا سایہ نہ پڑے،(آئینہ تاریخ جلد:۱) ان عرب تاجروں کی آمد سے جنوبی ہند کے بہت سے قبائل مسلمان ہوگئے،اور موجودہ سری لنکا تک اسلام پھیل گیا۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد کا دوسرا راستہ مغربی ہند کی ریاست سندھ ہے، ولید بن عبدالملک (۷۰۵-۱۵ء) کے زمانے میں فارس تک مسلمان فوجیں پہنچ چکی تھیں،عراق کے حاکم حجاج بن یوسف (متوفی:۹۵ھ) نے محمد بن قاسم کو ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں سندھ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا،اور بڑی آسانی سے سندھ کا علاقہ فتح ہوگیا،محمد بن قاسم نے مقامی سرداروں،راجاؤں اور برہمنوں کی بڑی عزت افزائی کی، یہاں بھی صورت حال یہی تھی کہ برہمن دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی زیادتی کرتے تھے،راجا داہر جس سے محمد بن قاسم کا مقابلہ ہوا،اس کا حال یہ تھا کہ اس کی سلطنت میں عام رعایا کو گھوڑے پر سواری کرنے کی اجازت نہیں تھی، نچلی ذات تصور کیے جانے والے قبائل کی عورتوں کو اپنے سینے کھلے رکھنے کا حکم تھا اور اگر وہ چھپانا چاہتیں تو ان کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا (کاسٹ اینڈ فیمیل بوڈی ان ٹراونکور: اے ہسٹوریکل ریڈنگ) جور و جفا اور ظالمانہ نابرابری کے اس ماحول میں محمد بن قاسم کے کریمانہ سلوک اور عفو عام نے سندھ کی زمین کے ساتھ ساتھ اہل سندھ کے قلوب کو بھی فتح کر لیا، یہاں تک کہ بعض مورخین کے مطابق محمد بن قاسم کی وفات پر اس خطہ کے لوگ بہت روئے اور بطور یادگار اس کا مجسمہ بنا کر نصب کیا۔(اسلامی ہند کی عظمت رفتہ،ص:۱۲۰، قاضی اطہر مبارک پوری)

مسلمانوں نے ہمیشہ اس ملک کو اپنا مادر وطن سمجھا اور ایک ماں کی طرح اس سے محبت کی،اس کی تعمیر وترقی میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں،ان حکمرانوں کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ یہ سب کے سب بہت ہی خدا ترس اور منصف مزاج حکمراں تھے،ان میں دونوں قسم کے لوگ تھے؛ لیکن عام طور پر اپنی رعایا کے ساتھ ان کا سلوک بہت اچھا تھا، انہوں نے اس ملک کو تاج محل کا حسن،قطب مینار کی بلندی،دہلی کی جامع مسجد اور حیدرآباد کی مکہ مسجد کا تقدس،شالیمار اور

نشاط جیسے خوبصورت باغات، چار مینار اور فتح پور سیکری جیسی یادگار نشانیاں عطا کیں، اور آج سے صدیوں پہلے پندرہ سو کوس طویل، کشادہ اور مضبوط سڑک بنائی، جس نے موجودہ بنگلہ دیش کے سنار گاؤں سے لے کر افغانستان تک کا مرحلۂ سفر آسان کر دیا، ہزاروں سرائے، لنگر خانے بنائے، بے شمار اسپتال اور تعلیم گاہوں کو وجود بخشا اور خدمت خلق کے اتنے غیر معمولی کام کیے، جن کی مثال دنیا کے کسی خطہ میں ملنی مشکل ہے، انہوں نے زرعی ترقی پر بھر پور توجہ دی اور وسط ایشیا میں جو بہترین پھل اور پھول ہوا کرتے تھے، ہندوستان میں ان کو لائے اور پروان چڑھایا، انہوں نے علم کی ترقی کے لیے بڑے بڑے کتب خانے تعمیر کیے، آج کل تو حکومتیں بہت پہلے سے بنے بنائے اور بسے بسائے شہروں کا نام بدل کر خود اپنے ہاتھوں اپنی پیٹھ ٹھوکتی ہیں؛ لیکن مسلم حکمرانوں نے بنگال کی مشرقی حدود سے لے کر موجودہ افغانستان تک پچاسوں شہر تعمیر کیے، ''ہندوستان کے مسلم عہد کے تمدنی کارنامے''میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

انہوں نے اپنے سیاسی حریفوں کو تو ضرور زک پہنچائی، جو ہر طاقتور فرماں روا کا طریقہ ہوتا ہے اور جو آج بھی ہے؛ مگر انہوں نے کبھی اپنی رعایا کے ساتھ سوائے اِکا دُکا واقعات کے ظلم وزیادتی کا طریقہ اختیار نہیں کیا، اور یہ واقعات بھی بمقابلہ دوسرے ظالم حکمرانوں کے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ انہوں نے ملک کی حفاظت اور اس کو غلامی کے داغ سے بچانے کے لیے اپنی جان و مال اور گھر بار کی قربانی دی، پہلی جنگ آزادی ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ نے لڑی، پھر ۱۷۹۹ء میں سلطان ٹیپو شہید نے جنگ آزادی کا علم اُٹھایا، پھر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی تمام قوموں کی شمولیت کے ساتھ بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں جنگ لڑی گئی، آخر ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، جنگ آزادی میں ملک کی قیادت کرنے والی تنظیم کانگریس پارٹی کے متعدد صدور مسلمان تھے۔

ملک کی معاشی اور صنعتی ترقی میں مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا، باوجود اس کے کہ مسلمانوں کو منظم طور پر ملازمت سے محروم کرنے اور تجارت سے دُور رکھنے کی کوشش کی گئی، وہ بہت ہی اہم ہے، مسلمانوں کی صف میں ہمیں عظیم پریم جی (مالک وپرو کمپنی) میڈیسن کی مشہور کمپنی کے مالک یوسف خواجہ، روزگار کے ہزاروں مواقع پیدا کرنے والے لولو گروپ کے مالک ایم اے یوسف علی، اسپتال اور ریسرچ ادارے قائم کرنے والی ممتاز شخصیت ڈاکٹر حبیب کھورا کے نام ملتے ہیں، ان ہی میں ایس عبدالرحمٰن یونیورسٹی کے بانی عبدالرحمٰن کا نام ملتا ہے اور نہ جانے کتنے تجار اور صنعت کار ہیں جو اس ملک کی معاشی ترقی کی سعی میں لگے ہوئے ہیں، آج ہم بجا طور پر آکاش، ترشول اور ناگ جیسے میزائلوں پر فخر کرتے ہیں، اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنے تحفظ کا احساس ہوتا ہے، اس کو معرض وجود میں لانے والا بھی وطن عزیز کا ایک مسلمان فرزند ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام ہی تھا، سائنس کے مختلف میدانوں میں مسلمانوں نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

لیکن مسلمانوں کا اس ملک پر سب سے بڑا احسان اس تہذیبی، فکری انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوا، جس نے اس ملک میں پائی جانے والی سوچ کو زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی پر پہنچا دیا، ہندوستان کی قدیم تاریخ میں یہاں کا معاشرہ ورن آشرم اور طبقاتی تقسیم کے ستون پر قائم تھا، پیدائشی طور پر انسانیت کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، سب سے اونچا

درجہ برہمنوں کا جن کے بارے میں تصور تھا کہ وہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے ہیں، دوسرا درجہ چھتریوں کا، جن کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ خدا کے ہاتھوں پیدا کیے گئے ہیں، تیسرا درجہ ویش کا جن کے بارے میں خیال تھا کہ وہ برہما کے پیٹ سے پیدا کیے گئے ہیں، چوتھا طبقہ شودر کا جن کے بارے میں عقیدہ تھا کہ وہ برہما کے پاؤں سے پیدا کیے گئے ہیں: ''برہمنوں کے بارے میں یہ تصور تھا کہ وہ اپنی پیدائش سے دیوتاؤں کے دیوتا ہیں''۔(منوسمرتی، باب:۱۱،اشولک:۸۴)

اور شودر اتنا گیا گزرا ہے کہ بقول منوسمرتی اس کی جان جانوروں کی جان کے برابر تھی: ''بلی، نیولا، نیل کنٹھ، مینڈک، کتا، گوہ، اگر ان میں سے کسی کو کوئی قتل کر دے تو شودر کو قتل کرنے کا پراشچت (کفارہ) ادا کرے، یعنی ان کے قتل کو شودر کے قتل کے برابر سمجھے''۔(منوسمرتی، باب:۱۱،اشلوک:۱۳۱) بعض دیگر مذاہب میں بھی اگرچہ سماجی رسم ورواج کے تحت اونچ نیچ کا تصور پیدا ہوا؛ مگر اس کا براہ راست مذہب سے تعلق نہیں تھا؛ لیکن ہندو دھرم میں صرف منوسمرتی نہیں؛ بلکہ ان کے عقیدہ کے لحاظ سے جو الہامی کتابیں ہیں، تقریباً سبھوں میں اس کا ذکر موجود ہے؛ چنانچہ رگ وید میں ہے: ''برہما کے منھ سے برہمن، بازو سے چھتری، ران سے ویش اور پیر سے شودر کی تخلیق ہوئی ہے''۔(رگ وید:۱۰، ۹۰، ۱۲)

اس کی نمایاں مثال ہمیں رامائن میں ملتی ہے کہ شری رام جی نے شمبھو نامی شودر کو صرف اس بنیاد پر قتل کر دیا کہ وہ مذہبی رسوم انجام دے رہا تھا، اس کی جو تفصیل بیان کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک برہمن اپنے بیٹے کی لاش اُٹھائے ماتم کناں رام جی کے محل میں آیا، اس نے شری رام سے اس لڑکے کو دوبارہ زندہ کرنے کی منت سماجت کی، رام جی نے کہا کہ ضرور کوئی اَدھرم (خلافِ مذہب عمل) ہوا ہوگا، رام جی اَدھرم کا پتہ لگانے جنگل کی طرف نکل پڑے، بڑی تلاش کے بعد ایک یوگی اُلٹا لٹکے ریاضت کرتا نظر آیا، رام جی نے اس یوگی سے اس کی ذات پوچھی، اس نے کہا: ''میں شودر یونی میں پیدا ہوا ہوں، اور عالم بہشت میں جا کر دیوتائی حاصل کرنا چاہتا ہوں، اس لیے اتنی سخت ریاضت کر رہا ہوں، یہ سنتے ہی رام جی نے اپنی چمکتی ہوئی تلوار سے اس کا سرتن سے جدا کر دیا، غور کیجئے کہ رام جی نے شمبھو کو اس لیے قتل کیا کہ وہ شودر ہو کر برہمن والا کام کر رہا تھا''۔(والمیکی رامائن، اتر کانڈ، سرگ:۷۶، اشلوک:۲، ہندی ترجمہ ص:۵۷۷، مطبوعہ گیتا پریس، گورکھپور)

اسی طرح مہابھارت کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ درونا چاریہ نامی برہمن گرو نے ایکلویہ کا انگوٹھا کٹوا دیا تھا؛ کیوں کہ وہ نیچ ذات کا ہو کر چھتری والا کام کر رہا تھا، اور تفریق وامتیاز کی یہ لکیریں ان چاروں طبقات ہی پر ختم نہیں ہو جاتیں؛ بلکہ بعض طبقات وہ ہیں جو شودر سے بھی زیادہ گرے ہوئے ہیں؛ اس لیے جو مسلمان عیسائی اور ہندوستان کے باہر کے مذاہب کے ماننے والے ہیں، ان کو ملیچھ نامی نہایت حقارت آمیز لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔(دیکھیے: بھوشیہ مہاپران:۲/۳۸۵)

اسی طرح کی صورتحال کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر امبیڈکر نے علم بغاوت بلند کیا، اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ جن کو اونچی ذات کے لوگ نیچی ذات تصور کرتے ہیں، ان کو اپنی آبادی سے بہت کم؛ لیکن کچھ ملازمتوں اور انتخابی حلقوں میں ریزرویشن مل گیا، مگر اس سے کوئی فکری تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، آج بھی ہندو سماج میں ان کو اتنا حقیر سمجھا جاتا ہے کہ ایک دلت

صدر جمہوریہ مندر میں داخل نہیں ہوسکتا، ایک دلت جج پر عین عدالت میں جوتے پھینکے جاتے ہیں، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ درج فہرست جج کے ٹرانسفر یا ریٹائر ہونے کے بعد جب اونچی ذات کا کوئی شخص کرسئ عدالت پر بیٹھتا ہے تو وہ کمرۂ عدالت کو دُھلواتا ہے، اور اپنے خیال کے مطابق اس کو پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر بھی آج جو کچھ اس ملک میں مساوات کے نعرے لگائے جارہے ہیں، دستور میں مساوات اور برابری کے تصور کو شامل کیا گیا ہے، وہ اسلامی تعلیمات کی دین ہے۔

دوسری اہم تبدیلی جو مسلمانوں کے اس ملک میں آنے سے ہوئی، وہ خواتین کے حقوق کی بازیافت ہے، اگرچہ ہندو مذہب میں مختلف دیویوں کا نام ملتا ہے: سرسوتی دیوی، لکشمی دیوی، درگا دیوی وغیرہ؛ لیکن ان کو بت کدے تک محدود رکھا گیا:

''عورت کے بارے میں منوجی کا تصور تھا کہ وہ شودر کے برابر ہیں، شادی سے پہلے وہ باپ، بھائی، وغیرہ کی محکوم ہوتی ہے، اور شادی کے بعد شوہر کی نوکرانی، وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں، شوہر کے مرنے کے بعد اس کو سب سے بڑے بیٹے کے ماتحت زندگی گزارنی ہوگی، غرض کہ وہ کسی حال میں خود مختار نہیں ہوسکتی، اسے ہمیشہ ماتحت رہ کر زندگی گزارنی ہے'' (منوسمرتی، باب: ۷/۱۴۷/۵)

''عورت پر تعلیم کا دروازہ بھی بند تھا، اس کو قربانی اور عبادت کی اجازت نہیں تھی، اگر وہ بدقسمتی سے بیوہ ہوگئی تو منوسمرتی کا حکم تھا کہ وہ دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لے'' (منوسمرتی، باب: ۵/۱۵۷) ''اس بارے میں تعلیم تھی کہ کسی باشعور شخص کو ایسی دوشیزہ سے شادی نہ کرنی چاہیے جس کا بھائی نہ ہو، اور نہ اس کے ساتھ جس کے باپ کا علم نہ ہو''۔ (حوالہ سابق: ۱۱:۳)

ایک نہایت وحشیانہ طریقہ جو اس ملک میں رائج تھا، وہ ''ستی'' کا تھا کہ شوہر کے انتقال کے بعد اس کی لاش کے ساتھ اس کی بیوی کو نذرِ آتش کر دیا جاتا تھا، مغلوں نے ہندوؤں کے رسم و رواج میں دخل دیئے بغیر اس کو روکنے کی بالواسطہ کوشش کی اور فرمان جاری کیا کہ کوئی عورت صوبیدار کی اجازت کے بغیر ستی نہیں کرسکتی، اور صوبیدار عورت کو اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر توہم پرستی کا تصور ملتا ہے، اس کا اثر آج بھی ہندو معاشرہ میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہے، رشتہ کا انتخاب ہو، یا شادی کی تاریخ مقرر کرنی ہو، یا کاروبار شروع کرنا ہو، ہر جگہ فال نکالنا، پجاریوں اور پنڈتوں سے فال نکلوالنا آج بھی عام بات ہے، اسلام کے عقیدۂ توحید کے تصور نے توہم پرستی کی زنجیر کی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اور لوگوں کو ان اوہام و خرافات سے آزادی حاصل ہوئی۔ اگر ملک کے موجودہ دستور کا تقابل قرآنی تعلیمات سے کیا جائے تو واضح طور پر اس میں قرآن کی جھلک نظر آئے گی، اور یہ بات بھی محسوس ہوگی کہ مختلف ایسی دفعات رکھی گئی ہیں، جن سے منوسمرتی اور قدیم ہندو تصورات کا رد ہوتا ہے۔

افسوس کہ اس وقت سنگھ پریوار کے لوگ گزشتہ صدیوں میں اس ملک میں انجام دی جانے والی خدمات پر سیاہی پھیرنا چاہتے ہیں، مسلمانوں کو ظالم اور ستم گر ثابت کرنے کی مہم چلا رہے ہیں، جھوٹی تاریخ مرتب کی جارہی ہے، میڈیا کو جھوٹ پھیلانے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے، نصاب تعلیم سے پورے مسلم دور کو حذف کر دیا گیا ہے، توہمات کو قدیم سائنسی تحقیق کا نام دیا جارہا ہے۔

ذہن کی تربیت اور عمل

محمود الحسن مدراسی

ہر عمل سے اسلام کی جھلک نظر آئے۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا، دیکھنا سننا، اور سوچنا سب اسلامی ہو جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی تربیت خود کرے یا کسی مرشد کے ہاتھوں اپنے اعمال کا درست راستہ سیکھے۔ جیسے مریض طبیب کے سامنے بیٹھ کر اپنی بیماری بیان کرتا ہے اور طبیب علاج بتاتا ہے، اسی طرح بندہ اپنے شیخ کے سامنے اپنے حالات بیان کرے اور شیخ جو حل بتائیں، اسے بلا اعتراض قبول کرے۔

انسان کے بدن میں ذہن مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، جو سوچتا ہے اور جسمانی اعمال کی بنیاد رکھتا ہے۔ اگر انسان برا سوچے تو گناہ پیدا ہوتا ہے، اور اچھا سوچے تو نیکی ظاہر ہوتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے ذہن کو صحیح سمت دے اور برائی کی طرف نہ جانے دے۔ اگر ذہن کبھی برائی کی طرف جائے تو دل میں وہ عزم موجود ہے جو اللہ نے دیا ہے، کہ انسان بلند ارادے سے خود کو برائی سے روک سکتا ہے۔ شیطان صرف بہکانے کا کام کرتا ہے، اصل اختیار انسان کے پاس ہے۔ جیسا شاعر نے کہا: ”کارِ بد تو خود کرے، لعنت کرے شیطان پر“۔

قیامت کے دن یہ مکالمہ بھی ہوگا کہ جب شیطان کفار کو دیکھ کر کہے گا: ”فَلَا تَلُوْمُوْنِي وَلُوْمُوْا أَنفُسَكُمْ“۔

برائی سے بچنے کے لیے انسان کو مصروف رہنا چاہیے۔ جو شخص سوچتا ہے کہ وقت ہمیشہ اس کے پاس ہے، شیطان اسے برائی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ ابتدا میں کچھ کام برا لگتا ہے، مگر اگر عادت بن جائے تو وہ معمولی نہیں رہتا، اور جو کبھی ناپسند تھا، اب لذیذ لگنے لگتا ہے۔

برائیوں کو کم یا ختم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نیکیوں میں اضافہ کیا جائے۔ چاہے وہ عبادات کی صورت میں ہوں یا معاملات اور معاشرت میں۔ نیکیوں کی مشق انسان کو برائی سے دور رکھتی ہے اور اخلاق و کردار میں روشنی پیدا کرتی ہے۔

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں و فحش لٹریچر سے متاثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن و حدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و تمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

حالاتِ حاضرہ اور ہندوستانی مسلمان

مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

آج کا ہندوستان ایک ایسے دور سے گزر رہا ہے جس میں سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی سطح پر بے شمار تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ یہ تبدیلیاں اپنے اندر امکانات بھی رکھتی ہیں اور خطرات بھی، مگر ان کا سب سے گہرا اثر ملک کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمانوں پر پڑ رہا ہے۔ ہندوستانی مسلمان ایک طویل تاریخ، روشن تہذیب، اعلیٰ دینی وراثت اور بے پناہ قربانیوں کے حامل ہیں۔ انہوں نے اس ملک کی تعمیر، اس کی تہذیب، اس کی علمی روایات اور اس کے سیاسی سفر میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ مگر موجودہ حالات میں وہ جن آزمائشوں، دباؤ، فکری انتشار اور سماجی چیلنجوں سے دوچار ہیں، وہ نہ صرف ان کے مستقبل سے متعلق ایک اہم سوال ہیں بلکہ پورے ہندوستان کے جمہوری مزاج کے لئے بھی ایک گہری فکر کا باعث ہیں۔

ہندوستان کے موجودہ حالات کی سنگینی کو محسوس کرنے کے لئے صرف ایک نظر کافی ہے۔ سماجی سطح پر نفرت کی سیاست نے دوریاں پیدا کی ہیں، میڈیا احتساب کے بجائے پروپیگنڈہ کا آلہ بن چکا ہے، اقلیتوں کے بارے میں غلط بیانی عام ہے، تاریخ کی تعبیر نو کے ذریعے ذہنوں کو بدلنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، تعلیم کے میدان میں نئے نصاب کے نام پر فکری یک رنگی مسلط کی جا رہی ہے، اور معاشی میدان میں وہ طبقات سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں جو پہلے ہی کمزور تھے۔ ان حالات کا سب سے زیادہ اثر ہندوستانی مسلمانوں پر پڑ رہا ہے۔

ہندوستانی مسلمان نہ صرف سماجی طور پر کمزور ہیں بلکہ معاشی طور پر بھی ملک کے کمزور ترین طبقات میں شمار ہوتے ہیں۔ سچر کمیٹی اور رنگناتھ مشرا کمیشن کی رپورٹیں بتا چکی ہیں کہ مسلمان تعلیم، سرکاری ملازمت، کاروبار، صحت، اور بنیادی شہری سہولیات میں ملک کی سب سے پسماندہ برادریوں میں شامل ہیں۔ شہروں میں وہ کم آمدنی والے علاقوں میں محدود ہو رہے ہیں، دیہات میں ان کے پاس معاشی وسائل کم ہیں، اور تعلیم کی کمی انہیں ترقی کی دوڑ میں پیچھے کر رہی ہے۔ اس سب کے باوجود ان کے اندر صلاحیت ہے، محنت ہے، اعلیٰ اخلاقی وراثت ہے اور ایک ایسا دینی نظام موجود ہے جس کے اصول دنیا کی ہر مہذب قوم کے لئے عدل، اعتدال اور خیر کا پیغام رکھتے ہیں۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا چیلنج ان کی شناخت، ان کی تہذیب، ان کے دین اور ان کی سماجی سلامتی سے متعلق ہے۔ ملک میں پہچان کی سیاست پروان چڑھ رہی ہے۔ مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ان کے دینی شعائر کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، ان کی عبادت گاہوں اور کھان پان تک پر بحث چھیڑی جا رہی ہے،

اور ایسے بیانات عام ہورہے ہیں جو ملک کے سماجی توازن کے لئے بہت نقصان دہ ہیں۔ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہورہا ہے کہ مسلمان اپنے دین اور تہذیب پر قائم نہ رہ سکیں اور اپنے اجتماعی وجود کو منتشر ہونے سے محفوظ نہ رکھ رکھیں۔

حالات کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف مسلسل ایک فکری جنگ چل رہی ہے۔ میڈیا اور سوشل میڈیا پر غلط معلومات، پروپیگنڈہ، جھوٹے بیانات اور نفرت انگیز ماحول نے نوجوانوں کے ذہنوں میں شکوک پیدا کردیئے ہیں۔ ایسے ماحول میں ضروری ہے کہ مسلمان اپنی فکری بنیادوں کو مضبوط کریں، تعلیم کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنائیں، اور جذباتیت کے بجائے بصیرت اور حکمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں۔ اگر مسلمان تعلیمی میدان میں آگے بڑھ جائیں، اپنے تعلیمی ادارے مضبوط کریں، مدارس اور عصری تعلیم میں ہم آہنگی پیدا ہو، اور نئی نسل ہنر، اخلاق اور دین کے نور سے لیس ہوجائے تو حالات کی کروٹیں مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔

سیاسی سطح پر بھی مسلمانوں کے سامنے کئی مشکلات ہیں۔ ان کی نمائندگی کم ہوتی جارہی ہے، مضبوط قیادت کا فقدان ہے، اور سیاسی انتشار نے انہیں کمزور بنادیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سیاست میں مسلمانوں کی موجودگی ہمیشہ اہم رہی ہے۔ اگر وہ متحد ہوکر اپنی سیاسی قوت کو صحیح سمت میں استعمال کریں، ووٹ کو امانت سمجھ کر استعمال کریں، دیانت دار قیادت کو آگے لائیں، اور اپنی قوم کے بنیادی مسائل کو ترجیح دیں تو وہ آج بھی ملک کی سیاسی تصویر میں مثبت کردار ادا کرسکتے ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف جو منفی فضا پیدا کی گئی ہے، اس کا مقابلہ محض احتجاج سے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے مثبت تعمیر ضروری ہے۔ اس کے لئے علمی میدان میں تحقیق ومطالعہ، میڈیا کے میدان میں اپنی مضبوط موجودگی، آئینی شعور، قانونی چارہ جوئی، معاشی استحکام، تعلیمی ترقی، سماجی خدمت، اور اخلاقی کردار بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلمان اگر یہ ستون مضبوط کرلیں تو وہ کبھی بھی حالات کے بوجھ تلے نہیں دب سکتے۔ یہ وہ راستہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے مکہ کے حالات میں دکھایا۔ جب حالات سخت تھے، دشمن طاقتور تھے، امکانات کم تھے، مگر رسول اللہ ﷺ نے علمی بنیاد، اخلاقی کردار، مضبوط رشتے، حکمت عملی، اور مسلسل محنت کو اساس بنایا اور آخر کار اللہ نے نصرت عطا فرمائی۔

ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ ان کا دین، ان کی قرآن سے وابستگی، ان کی مساجد، ان کے مدارس، ان کے علماء اور ان کے صالح معاشرے ہیں۔ یہ وہ روحانی قوت ہے جو انہیں دوسرے تمام طبقات سے ممتاز کرتی ہے۔ جب تک یہ قوت زندہ ہے، کوئی طوفان مسلمانوں کو مٹا نہیں سکتا۔ البتہ اس قوت کو جدید دنیا کی ضرورتوں سے ہم آہنگ کرنا، اس کا عملی اظہار معاشرتی خدمات، تعلیم ومعیشت اور کردار کی پختگی کی شکل میں کرنا ضروری ہے۔ صرف جذباتی نعروں اور وقتی احتجاج سے راستے نہیں کھلتے، قومیں علم وحکمت، کردار اور قربانی سے بنتی ہیں۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ ہندوستانی مسلمان تین بڑی ترجیحات طے کریں: (۱) اپنی نئی نسل کی مکمل اسلامی و عصری تعلیم، (۲) اپنی معاشی قوت کا استحکام، (۳) اپنی سماجی وتہذیبی شناخت کا تحفظ۔ یہ وہ تین میدان ہیں جن میں ترقی

کے بغیر کوئی بھی قوم بحران سے نہیں نکل سکتی۔ اگر مسلمانوں نے اپنے بچوں کو دین و دنیا دونوں کے بہترین علم سے آراستہ کیا، ان کی کردار سازی کی، انہیں ایمان، اخلاق اور ہنر کے ساتھ عملی میدان میں کھڑا کر دیا تو مستقبل ان کے ہاتھ میں ہوگا۔ اگر تجارت وصنعت، ہنرمندی، چھوٹے اور درمیانے کاروبار، زکوٰۃ واوقاف کے نظام اور اقتصادی منصوبہ بندی کو مضبوط کرلیں تو وہ معاشی خوف سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اپنی دینی شناخت کو بصیرت کے ساتھ قائم رکھیں، اپنے اخلاق سے لوگوں کے دل جیتیں، اور ملک کے تانے بانے میں مثبت کردار ادا کریں تو کوئی طاقت انہیں کمزور نہیں کر سکتی ہے۔

ہندوستان جیسے متنوع اور عظیم ملک میں مسلمانوں کا کردار محض ایک مذہبی اقلیت کا نہیں بلکہ ایک تہذیبی معمار کا ہے۔ اگر وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، اپنی تعلیم کو مضبوط کریں، اپنی اقتصادی قوت کو بہتر بنائیں، اپنے دینی تشخص کو وقار اور متانت کے ساتھ قائم رکھیں، اور ملک کے ہر شعبے میں مثبت کردار ادا کریں تو کوئی طاقت انہیں پیچھے نہیں ڈھکیل سکتی۔ وقت کا پہیہ ہمیشہ گھومتا ہے، حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، مگر قومیں وہی کامیاب ہوتی ہیں جو حالات کے رخ کو بدلنے کا عزم رکھتی ہیں۔

آج کے دور میں ضرورت ہے کہ ہم جذباتیت کے شور میں اپنی اصل ذمہ داریوں کو فراموش نہ کریں۔ ہمیں نہ مایوسی کے اندھیروں میں ڈوبنا ہے اور نہ غفلت کے سائے میں سوجانا ہے۔ ہماری اصل کامیابی اس میں ہے کہ ہم اپنی نسلوں کو دین و دنیا دونوں کے روشن چراغ تھمائیں، ان کے دل میں ایمان کی حرارت، عقل کی بصیرت اور کردار کی پختگی پیدا کریں۔ جب ہماری نئی نسل باشعور، باکردار، تعلیم یافتہ اور مضبوط معاشی بنیاد پر کھڑی ہوگی تو پھر نہ ہمیں حالات کا خوف ہوگا اور نہ مستقبل کا اندیشہ۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کی نصرت کسی خاص زمانے یا کسی مخصوص صورتِ حال سے بندھی نہیں ہے۔ نصرت ان کو ملتی ہے جو اپنے آپ کو اس کے قابل بنائیں۔ اگر ہم ایمان، حکمت، صبر، محنت اور مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھیں گے تو یقین رکھیں کہ عروج کے دروازے ہمارے لئے ضرور کھلیں گے۔

ایک بات اور دل میں گرہ لگانے کی ہے کہ حالات ہمیشہ بدل سکتے ہیں، مگر ان کو بدلنے کے لئے ارادہ، حکمت، محنت اور دعا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرلیں، اپنے دین سے مضبوط وابستگی قائم رکھیں، دنیا کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو سمجھیں، اپنی تعلیم ومعیشت کو مضبوط کریں، اور ملک کے ہر میدان میں مثبت کردار ادا کریں تو نہ صرف اپنے حال کو بہتر بنا سکتے ہیں بلکہ پورے ملک کے مستقبل کو روشن کر سکتے ہیں۔ آج وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم نہ مایوس ہوں، نہ مشتعل ہوں، بلکہ عزم مصمم، حکمت عملی، بصیرت نبوی اور اللہ سے بہتر امید کے ساتھ آگے بڑھیں۔

ہندوستان ایک عظیم ملک ہے، اور اس کی عظمت کے لئے مسلمان ہمیشہ ایک مثبت، تعمیری اور روشن کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اگر آج بھی ہم اپنا مقام پہچان لیں تو ان شاء اللہ مستقبل قریب میں امکانات کے دروازے ضرور کھلیں گے، اور ہم اس ملک کی تعمیر وترقی میں اہم کردار دوبارہ ادا کریں گے۔

''وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيز'' (ابراہیم: ۲۰)](اور یہ بات اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں ہے)۔

کیا چار فقہی مذاہب، اسلام کا متبادل اور مولویوں کا بنایا ہوا دین ہے؟

مفتی زبیر شاہ

واضح رہے کہ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) دینِ اسلام کے مستند چار فقہی مکاتب ہیں، جن کی اصل اَساس اور بنیاد، قرآن، حدیث، اجماعِ اُمّت اور قیاس ہیں، اور یہی وحی کے براہِ راست مصادر ہیں، جن سے ائمہ کرام کے اجتہادات ماخوذ ہیں، نہ کہ خود ساختہ اُصولوں سے۔ اور اسلامی شریعت کے فہم اور عملی نفاذ کے لیے مذاہبِ اربعہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ مذاہبِ اربعہ ایسے جلیل القدر ائمہ کرامؒ کی اجتہادی کاوشوں کا نتیجہ ہیں، جنہوں نے انہی مصادرِ اصلیہ (قرآن وسنت وغیرہ) کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ کے لیے تاقیامت آنے والی نوازل (پیش آمدہ مسائل) کے احکام کو مستنبط کرنے کے لیے فقہی اُصول مرتب کیے۔ تاہم بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ: ''مذاہبِ اربعہ مولویوں کا خود ساختہ دین ہیں۔'' اور یہ کہ اسلام صرف قرآن وحدیث پر مبنی ہونا چاہیے، ان مذاہب میں سے کسی مذہب، فقہ یا امام کی پیروی کی ضرورت نہیں، جبکہ یہ اعتراض شریعت اور حقیقت دونوں سے ناواقفیت پر مبنی ہے، بلکہ بذاتِ خود قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ کی تصریحات کے متصادم اور خلاف ہے، چنانچہ خود قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ: ''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' (النّحل: ۴۳) ترجمہ: ''تم اہلِ ذکر (اہلِ علم) سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم دیا کہ جو لوگ دین کا علم نہیں رکھتے، وہ اہلِ علم (علماء) سے سوال کریں، یہی تقلیدِ ائمہ کی بنیاد ہے، کیونکہ ہر مسلمان براہِ راست قرآن واحادیث سے احکام اخذ نہیں کرسکتا، اور نہ ہی اُن کے عِلل وحِکم تک اُس کی رسائی ممکن ہے، جس کی عام فہم مثال یوں سمجھیے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو ایسی عقل عطا فرمائی ہے کہ دنیا میں جو بھی نئی نئی ضرورتیں پیدا ہوں، وہ ان کے حل کے لیے ان کی ایجادات کرتا ہے، اسی طرح دین کے معاملے میں جو مسائل پیش آئیں اُن کے لیے یہ اجتہاد کرتا ہے، لیکن جیسے سارے انسان ایجاد نہیں کرتے، ایک نے ایجاد کرلیا، باقی انسان اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، اسی طرح دین میں بھی سارے انسان اجتہاد نہیں کرتے (اور نہ کرسکتے ہیں) ان ائمہ مجتہدین نے اجتہاد کرلیا اور باقی اُن کے اجتہاد سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اب اگر کوئی تیسرا شخص نکل آئے کہ نہ تو ایجاد کرسکے اور نہ ہی کسی کی ایجاد سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہو تو اس کے متعلق لوگ سوائے اس کے کیا کہیں گے کہ اسے بے وقوفی اور کم فہمی کی علامت قرار دیا جائے۔

توجس طرح کسی چیز کے ایجاد کرنے سے کوئی خالق نہیں بنتا، بلکہ موجد ہی ہوتا ہے، اسی طرح اجتہاد کرنے سے بھی کوئی شارع نہیں بنتا بلکہ مجتہد ہی ہوتا ہے، لہٰذا اجتہاد بھی دینِ اسلام میں مولویوں کی کوئی نت نئی ایجاد نہیں کہ جس کو شریعت کا مخالف گردانا جائے اور اس کا انکار کیا جائے۔ نیز اگر غور کیا جائے تو معترضین کا مذکورہ اعتراض درحقیقت تقلید سے بیزاری کی علامت ہے، جو نصوصِ شرعیہ کا کھلم کھلا انکار اور خلاف ورزی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: مجتہدین کی تقلید غیر مجتہد پر واجب ہے: آیت مذکورہ کا یہ جملہ "فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (النحل: ۴۳) اس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لیے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے نقلی بھی کہ جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں، اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں، اسی کا نام تقلید ہے۔

یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اُمت میں عہدِ صحابہؓ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اس ضابطے پر عمل ہوتا آیا ہے۔ جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے، ان میں خود دلائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہے نہیں اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے۔ یہ تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

البتہ وہ علماء جو خود قرآن وحدیث کو اور مواقعِ اجماع کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو ایسے احکام میں جو قرآن و حدیث میں صریح اور واضح طور پر مذکور ہیں، اور علماء صحابہؓ و تابعینؒ کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف بھی نہیں، ان احکام میں وہ علماء براہِ راست قرآن وحدیث اور اِجماع پر عمل کریں، ان میں علماء کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں، لیکن وہ احکام ومسائل جو قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں یا جن میں آیاتِ قرآن اور روایاتِ حدیث میں بظاہر کوئی تعارض نظر آتا ہے یا جن میں صحابہؓ و تابعینؒ کے درمیان قرآن وسنت کے معنی متعین کرنے میں اختلاف پیش آیا ہے' یہ مسائل واحکام محلِ اجتہاد ہوتے ہیں، ان کو اصطلاح میں ''مجتہد فیہ' مسائل کہا جاتا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ جس عالم کو درجۂ اجتہاد حاصل نہیں، اس کو بھی ان مسائل میں کسی امام مجتہد کی تقلید ضروری ہے، محض اپنی ذاتی رائے کے بھروسہ پر ایک آیت یا روایت کو ترجیح دے کر اختیار کرنا اور دوسری آیت یا روایت کو مرجوح قرار دے کر چھوڑ دینا اس کے لیے جائز نہیں۔

اسی طرح جو احکام قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں' اُن کو قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول سے نکالنا اور ان کا حکمِ شرعی متعین کرنا یہ بھی انہی مجتہدینِ امت کا کام ہے جن کو عربی زبان، عربی لغت اور محاورات اور طرقِ استعمال کا، نیز

قرآن وسنت سے متعلقہ تمام علوم کا معیاری علم اور تقویٰ کا اونچا مقام حاصل ہو، جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یا امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، جن میں حق تعالیٰ نے قربِ زمانۂ نبوت اور صحبتِ صحابہؓ وتابعینؒ کی برکت سے شریعت کے اصول ومقاصد سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کر کے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازم ہے، ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے اختیار کرنا خطا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اُمت کے اکابر علماء، محدثین وفقہاء، امام غزالیؒ، امام رازیؒ، امام ترمذیؒ، امام طحاویؒ، امام مزنیؒ، امام ابن ہمامؒ، امام ابن قدامہؒ اور اسی معیار کے لاکھوں علماء سلف وخلف باوجود علومِ عربیت وعلومِ شریعت کی اعلیٰ مہارت حاصل ہونے کے ایسے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کے پابند رہے ہیں، سب نے مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا، البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے اور پرکھتے تھے، پھر ائمہ مجتہدین میں جس امام کے قول کو وہ کتاب وسنت کے ساتھ اقرب پاتے اس کو اختیار کر لیتے تھے، مگر ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہ جانتے تھے، تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔

اس کے بعد روز بروز علم کا معیار گھٹتا گیا اور تقویٰ وخداترسی کے بجائے اغراضِ نفسانی غالب آنے لگیں، ایسی حالت میں اگر یہ آزادی دی جائے کہ جس مسئلہ میں چاہے کسی ایک امام کا قول اختیار کر لیں اور جس میں چاہیں کسی دوسرے امام کا قول لے لیں تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا تھا کہ لوگ اتباعِ شریعت کا نام لے کر اتباعِ ہویٰ میں مبتلا ہو جائیں کہ جس امام کے قول میں اپنی غرضِ نفسانی پوری ہوتی نظر آئے اس کو اختیار کر لیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کوئی دین اور شریعت کا اتباع نہیں ہوگا، بلکہ اپنی اغراض و اہواء کا اتباع ہوگا جو باجماعِ اُمت حرام ہے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''موافقات'' میں اس پر بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے اور ابن تیمیہؒ نے بھی عام تقلید کی مخالفت کے باوجود اس طرح کے اتباع کو اپنے فتاویٰ میں باجماعِ امت حرام کہا ہے۔ اس لیے متأخرین فقہاء نے یہ ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام مجتہد کی تقلید کا پابند کرنا چاہیے، یہیں سے تقلید شخصی کا آغاز ہوا جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے، جس سے دین کا انتظام قائم رہے اور لوگ دین کی آڑ میں اتباعِ ہویٰ کا شکار نہ ہو جائیں۔

اس کی مثال بعینہٖ وہ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے باجماعِ صحابہؓ قرآن کے سبع احرف (یعنی سات لغات) میں سے صرف ایک لغت کو مخصوص کر دینے میں کیا کہ اگرچہ ساتوں لغات قرآن ہی کی لغات تھیں، جبرائیل امین کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق نازل ہوئیں، مگر جب قرآن کریم عجم میں پھیلا اور مختلف لغات میں پڑھنے سے اختلاف اور لڑائی جھگڑے کا خطرہ محسوس کیا گیا تو باجماعِ صحابہؓ مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت میں قرآن کریم لکھا اور پڑھا جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی ایک لغت کے مطابق تمام مصاحف لکھوا کر

اطرافِ عالم میں بھجوائے اور آج تک پوری امت اسی کی پابند ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسری لغات حق نہیں تھیں، بلکہ انتظامِ دین اور حفاظتِ قرآن کی بنا پر صرف ایک لغت اختیار کر لی گئی۔

اسی طرح ائمہ مجتہدین سب حق ہیں، ان میں سے کسی ایک کو تقلید کے لیے معین کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس امام معین کی تقلید کسی نے اختیار کی ہے، اس کے نزدیک دوسرے ائمہ قابلِ تقلید نہیں، بلکہ اپنی صواب دید اور اپنی سہولت جس امام کی تقلید میں دیکھی اس کو اختیار کر لیا اور دوسرے ائمہ کو بھی اسی طرح واجب الاحترام سمجھا۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیمار آدمی کو شہر کے حکیم اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لیے متعین کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، کیونکہ بیمار اپنی رائے سے کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر دوا استعمال کرے، کبھی کسی دوسرے سے پوچھ کر، یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے، وہ جب کسی ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لیے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں۔

حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کی جو تقسیم اُمّت میں قائم ہوئی، اس کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی، اس میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کا رنگ اور باہمی جدال وشقاق کی گرم بازاری نہ کوئی دین کا کام ہے، نہ کبھی اہلِ بصیرت علماء نے اسے اچھا سمجھا ہے۔ بعض علماء کے کلام میں علمی بحث وتحقیق نے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا اور بعد میں طعن وطنز تک نوبت آ گئی، پھر جاہلانہ جنگ وجدال نے وہ نوبت پہنچا دی جو آج عموماً دین داری اور مذہب پسندی کا نشان بن گیا۔ **فإلي الله المشتكي ولاحول ولاقوة إلا بالله العليّ العظيم۔** (معارف القرآن، ج:۵،ص:۳۹۰، ادارۃ المعارف)

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت مکالمہ اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کی مجتہدانہ شان پر اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کرنا' اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اجتہاد شریعت میں کوئی مذموم چیز نہیں۔ (**جامع الترمذي، باب ماجاء في القاضي كيف يقضي: ۲/۶۴۷**) جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن اور احادیث میں کسی مسئلے کا واضح حل نہ ملے تو اجتہاد کرنا جائز ہے، اور یہی مذاہبِ اربعہ کی بنیادی اَساس ہے۔

اس کے علاوہ شریعتِ مطہرہ میں اجتہاد کی بڑی اہمیت ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی حاکم (مجتہد) اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں، اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ملتا ہے۔'' (**البخاري، كتاب الاعتصام، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ: ۴/۳۲۵۱، ط: البشریٰ**)

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اجتہاد دینِ اسلام میں ایک جائز امر ہے، حتیٰ کہ اگر کسی مجتہد سے اس اجتہاد میں غلطی بھی واقع ہو جائے، تب بھی اس کو ایک اجر ملے گا، چنانچہ یہی طریقۂ کار ائمہ اربعہ کا بھی رہا کہ انہی اصولوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے مضبوط بنیادوں پر فقہ کو استوار کر کے اُمّت کے لیے آسانی پیدا کی، اور درحقیقت مجتہدین کا یہی اختلاف امّت کے لیے رحمت اور باعثِ سہولت ہے، اور امّتِ مسلمہ نے ہمیشہ ان ائمہ کی پیروی کی ہے اور ان کی مجتہدات اور تقلید واتباع کو تسلیم کیا ہے، اور ان سے خروج کو باعثِ ابتلاء، مشقت وفتنہ قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ: 1: یہ تمام مذاہب قرآن وحدیث پر مبنی ہیں، اوران کے اصولِ اجتہادشریعت کے مطابق ہیں۔ 2:ان ائمہ اربعہ نے فقہی مکاتب کو مرتب ومدوّن کر کے اُمت کے لیے صرف آسانی پیدا کی ہے،کوئی نئی شریعت ازخودنہیں گھڑی۔ 3:ان مکاتبِ اربعہ سے ہٹ کر اگر ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق شریعت کا شارح ومفسّر بننے لگے تو اس سے فتنہ وانتشار پیدا ہوگا۔ 4: اُمت نے ہمیشہ ان مکاتب کوتسلیم کیا ہے، اوران کی پیروی اُمت کے اجماع سے ثابت ہے۔ 5:ان مذاہبِ اربعہ کا اختلاف دین میں کوئی تفرقہ نہیں، بلکہ اُمت کے لیے رحمت ہے، اور اُمت کے اجماع کے مطابق مذاہبِ اربعہ کی پیروی کرنا عینِ شریعت ہے۔ 6:ان میں سے کسی بھی مذہب کو''مولویوں کا خودساختہ دین'' کہنا علمی جہالت اور حقیقت سے انحراف ہے۔ لہٰذا جولوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مذاہبِ اربعہ مولویوں کا خودساختہ بنایا ہوا دین ہے، وہ دین کے بنیادی اصولوں سے ناواقف ہیں، اور جمہور اُمت کے موقف سے روگردانی اورانحراف کے مرتکب ہیں جوگمراہی اورموجبِ ضلالت ہے۔ (أعاذنا اللہ من ذٰلک)

حوالہ جات: كما في عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد (ص:۴۳)، ط:دار الكتب بشاور: اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة، و في الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة. و نحن نبيّن ذٰلک بوجوه: أحدها: أن الأمة اجتمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة، فالتابعون اعتمدوا في ذلک على الصحابة رضي الله عنهم، و تبع التابعين اعتمدوا على التابعين، و هكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم، و العقل يدل على حسن ذلک؛ لأن الشريعة لاتعرف إلا بالنقل و الإستنباط، و النقل لايستقيم إلا بأن تأخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال، و لا بد في الاستنباط من أن يعرف مذاهب المتقدمين؛ لئلايخرج من اقوالهم، فيخرق الإجماع... الخ.

و في التقليد في الأمور الفقهية (للشيخ محمد بن سعيد أحمد) ص: ۵۹، ط:مكتبة الحرمين: يقول إبن نجيم: ''و ما خالف الأئمة الأربعة فهو مخالف للإجماع''، ويقول الشيخ السرخسي المالكي: ''أما في ما بعد ذٰلک كما قال ابن الصلاح، فلايجوز تقليد غير الأئمة الأربعة: مالک و أبي حنيفة و الشافعي وأحمد رحمهم الله، لأن هؤلاء عرفت قواعد مذاهبهم، واستقرت أحكامها، وخدمها تابعوهم، وحرروها فرعًا فرعًا، و حكمًا حكمًا.'' ويقول ابن حجر المكي: ''أما في زماننا فقال أئمتنا: لايجوز تقليد غير الأئمة الأربعة، مالک و أبي حنيفة و الشافعي و أحمد رحمهم الله.'' ويقول الشيخ أحمد المعروف بملاجيون: ''و الإنصاف أن انحصار المذاهب في الأئمة الأربعة، و اتباعهم فضل إلٰهي، و قبول من عند الله لا مجال فيه للتوجيهات و الأدلة.''

و في حجة الله البالغة: ۱/۵۰۶، ط: المكتبة الوحيدية پشاور: أن هٰذه المذاهب الأربعة المدوّنة المحررة قد اجتمعت الأمة، أو من يعتد به منها، علىٰ جواز تقليدها إلى يومنا هذا، و في ذٰلک من المصالح ما لايخفى، لا سيما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جدّا، و أشربت النفوس الهوى، و أعجب كل ذي رأي برأيه۔

دین اسلام میں خاندانی نظام

اور رشتہ دارانہ تعلقات کی اہمیت و برکات

مولانا محمد عرفان اللہ اختر

اسلام ایک کامل اور جامع دین ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے۔اسلام نے جہاں عبادات اور عقائد پر زور دیا ہے، وہیں معاشرتی نظام کو بھی بڑی اہمیت دی ہے،خصوصاً خاندانی نظام کو انسانیت کی فلاح کی بنیاد قرار دیا ہے۔خاندان ایک ایسی بنیادی اکائی ہے،جس پر معاشرہ قائم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو تنہا زندگی گزارنے کے لیے پیدا نہیں کیا، بلکہ اسے ایک خاندانی، معاشرتی اور باہمی تعلقات سے بھرپور نظام عطا فرمایا ہے۔

انسانی زندگی کا آغاز بھی ماں باپ سے ہوتا ہے اور اس کا دائرہ بہن بھائیوں، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، دادا، دادی، نانا، نانی اور دیگر رشتہ داروں تک پھیلتا ہے۔یہ تعلقات انسانی زندگی کے لیے ایک ایسی سایہ دار شاخ ہیں جو ہر موسم میں اس کا سہارا بنتی ہے۔

جب انسان اپنے اصلی رشتوں کو بھول کر سوشل میڈیا اور دنیاوی رنگینی کے عارضی تعلقات میں اُلجھ جائے،تو وہ محبت، ہمدردی، سچی دعاؤں اور حقیقی خیرخواہی سے محروم ہوجاتا ہے،اس لیے دین اسلام نے بار بار رشتہ داروں سے جڑے رہنے،ان کے حقوق ادا کرنے اور صلہ رحمی کو فرض کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔

قرآنِ کریم کی سورۃ النساء میں خاندانی رشتوں کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے تعلق بالارحام کو بنیادِ ایمان قرار دیا ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کے ساتھ رشتہ داروں سے ڈرنے کا بھی حکم دیا گیا،یعنی رشتہ داروں سے تعلق توڑنا صرف سماجی جرم نہیں،شرعی جرم بھی ہے۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ احسان وعدل میں رشتہ داروں کو ترجیح دو،یعنی:

''اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابت داروں کو (اُن کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے۔''(سورۃ النحل:۹۰)

یہ وہ مشہور آیت ہے جو جمعے کے خطبے میں اکثر پڑھی جاتی ہے، اور اس میں عدل واحسان کے بعد ذوی القربیٰ (قریبی رشتہ داروں) کے ساتھ حسن سلوک کا خصوصی ذکر ہے۔

ایک اور جگہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جو لوگ اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑتے ہیں،اور ان رشتوں کو کاٹتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا

ہے، وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں۔" (سورۃ الرعد:۲۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیماتِ مبارکہ ہیں کہ صلہ رحمی رزق میں برکت اور عمر میں اضافہ کا ذریعہ ہے:

"جو شخص چاہتا ہو کہ اس کا رزق بڑھایا جائے اور عمر میں برکت ہو، وہ صلہ رحمی کرے۔" (بخاری شریف)

"رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (صحیح مسلم)

"رشتہ دار پر خرچ کرنا دوہرا اجر رکھتا ہے، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔" (ترمذی شریف)

دینِ اسلام نے خاندانی نظام کو مضبوط بنانے کے لیے بہت سی تعلیمات دی ہیں، جن کی بنیاد محبت، ہمدردی، انصاف، صبر، اور حقوق و فرائض کی ادائیگی پر رکھی گئی ہے۔

اسلام میں نکاح کو عبادت اور سنت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور اپنے میں سے ان لوگوں کا نکاح کرو جو بے نکاح ہوں اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا بھی۔"

(سورۃ النور:۳۲)

نکاح صرف جسمانی ضرورت نہیں، بلکہ ایک مقدس عہد ہے جو خاندان کی بنیاد ڈالتا ہے۔

اسلام نے والدین کی خدمت اور اطاعت کو فرض قرار دیا، قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔"

(بنی اسرائیل:۲۳)

اسی طرح دین اسلام نے والدین کو اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔" (التحریم:۶)

آج کے دور میں سوشل میڈیا پر ہزاروں فرینڈز، فالوورز، لائکس، ری ایکشنز اور تبصروں کی بھرمار ہے، مگر یہ تعلقات عارضی، سطحی اور غیر مخلص ہوتے ہیں۔ دکھ سکھ میں نہ کوئی کام آتا ہے، نہ دل سے دعائیں دیتا ہے۔ یہ وقت اور توجہ کی چوری کرتے ہیں، خاندانی وقت کو برباد کرتے ہیں۔ کئی طلاقیں، خاندانی جھگڑے، نافرمانیاں اور رنجشیں صرف سوشل میڈیا کے حد سے زیادہ استعمال کا نتیجہ ہیں، جبکہ حقیقی خاندان دعاؤں کا خزانہ ہے، غمگسار اور مددگار رہتا ہے۔ اولاد کی تربیت، بڑوں کا سایہ، اور چھوٹوں کی رونق ہے۔ صبر، برداشت، رواداری اور قربانی سکھاتا ہے۔

خاندانی تعلقات کی عظمت و برکات بے شمار ہیں کہ خاندان انسان کے لیے محبت، سکون اور رحمت کا گہوارہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں نکاح (جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا ہے) کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: "اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔" (الروم:۲۱)

خاندانی نظام نسلِ انسانی کی بقا اور اس کی اخلاقی، دینی اور معاشرتی تربیت کا ذریعہ ہے۔ یہی نظام بچوں کو معاشرتی اقدار سکھاتا ہے، جب خاندان مضبوط ہو تو پورا معاشرہ مضبوط ہوتا ہے۔ ہر فرد کو اپنے حقوق و فرائض کا علم ہوتا ہے اور معاشرہ عدل و امن کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

اسلامی خاندانی نظام میں بزرگ، بیمار، اور محتاج افراد کو اکیلا نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ خاندان کا ہر فرد دوسرے کی مدد کرتا ہے، جس سے غربت اور فاقہ کشی میں کمی آتی ہے۔ بزرگوں کو معاشرے کا سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا حق نہیں پہچانتا، وہ ہم میں سے نہیں۔'' (ترمذی شریف)

دین اسلام سے ہمیں بھرپور عملی ہدایات ملتی ہیں کہ ہم روزانہ کچھ وقت خاندانی ملاقات، گفتگو یا حال احوال کے لیے مختص کریں، سوشل میڈیا کو محدود کریں، اصل زندگی میں لوگوں سے رابطہ رکھیں، ماں باپ کی خدمت، بہن بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، اور قریبی رشتہ داروں کو تحفے دینا معمول بنائیں، گھریلو دعوتیں، عیادت، اور خوشی و غم میں شرکت خاندانی رشتوں کو مضبوط کرتی ہے اور اختلافات کو انا کی بجائے دین کی روشنی میں سلجھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاندان کو ہمارے لیے پناہ گاہ، مددگار اور محبت کا سرچشمہ بنایا ہے۔ دین اسلام نے خاندان اور رشتے داروں کے حقوق کو فرض قرار دیا ہے اور ان سے غفلت کو ہلاکت کا باعث بتایا ہے۔

سوشل میڈیا اور دنیا کی مصنوعی چمک میں کھو کر حقیقی رشتوں کو نہ بھلائیں، بلکہ انہیں وقت، توجہ اور دل سے جُڑے رکھیں، کیونکہ یہی تعلقات دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنیں گے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں میں صلہ رحمی، خاندانی محبت اور عاجزی پیدا فرما، ہمیں والدین، بہن بھائی، رشتہ داروں کے ساتھ سچائی، وفا اور خیر خواہی عطا فرما۔ ہمیں دکھاوے اور وقتی تعلقات سے بچا، اور ہمیں ہمیشہ حق، تعلق اور دین کے راستے پر قائم رکھ، آمین۔

دوا علاج سے متعلق نئے مسائل

مفتی ولی اللہ مجید قاسمی مئوی

اصول وضوابط:

انسان کا وجود اور اس کی زندگی ایک ”امانت“ ہے، اور اس کی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی ”خیانت“ ہے، اللہ عزوجل کی نگاہ میں توانا اور تندرست مومن ایک کمزور مومن سے بہتر ہے۔(صحیح مسلم:2664) یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اپنی صحت کی طرف سے غفلت مناسب نہیں ہے کہ صحت عافیت ایک بیش بہا نعمت ہے، جس کی قدر دانی اور حفاظت مطلوب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس: الصحة والفراغ“ دونعمتوں کے سلسلے میں لوگ عام طور پر دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں: صحت اور فراغت۔(بخاری ومسلم)

اور حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

”یَا رَسُولَ اللّٰہِ، عَلِّمْنِي شَیْئًا أَسْأَلُهُ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ. قَالَ: ”سَلِ اللّٰہَ الْعَافِیَةَ“، فَمَكَثْتُ أَیَّامًا، ثُمَّ جِئْتُ، فَقُلْتُ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ، عَلِّمْنِي شَیْئًا أَسْأَلُهُ اللّٰہَ، فَقَالَ لِي: ”یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّ رَسُولِ اللّٰہِ، سَلِ اللّٰہَ الْعَافِیَةَ فِي الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ“.

یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجئے جسے میں اللہ عزوجل سے مانگا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے عافیت کی دعا مانگو۔ کچھ دنوں کے بعد انھوں نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: عباس! میرے چچا! اللہ تعالی سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگا کرو۔(ترمذی:3514. احمد:1783)

1-دوا علاج کا حکم:

دوا علاج ایک سبب اور ذریعہ ہے اور اس طرح کے اسباب کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو یقینی طور پر فائدہ مند ہوتی ہیں جیسے کہ بھوک پیاس دور کرنے کے لئے کھانا پانی۔ دوسری وہ ہے جس کا مفید ہونا ظن غالب کے درجے میں ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس کا نفع بخش ہونا وہم کے درجے میں ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر مرض مہلک ہو یا اس کی وجہ سے فرائض واجبات اور دوسروں کے حقوق ادا کرنا ممکن نہ ہو اور اس کی کوئی ایسی دوا موجود ہو جس کا فائدہ یقینی یا ظن غالب کے درجے میں

ہوتو وسعت کے ہوتے ہوئے علاج کرنا واجب ہوگا۔اور اگر عمومی نوعیت کا مرض ہوتو علاج کرنا سنت ہے اور اگر مرض کا علاج وہم کے درجے میں ہوتو وہ جائز مگر توکل کے خلاف ہے۔(دیکھئے:الھندیہ 5/355)

توکل یہ ہے کہ ان اسباب وسائل کو اختیار کیا جائے جن کی تاثیر یقینی یا ظن غالب کے درجے میں ہو مگر اصل اعتماد اسباب ووسائل پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہو کہ وہی موثر حقیقی ہے اور اسی کے حکم سے دوائیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔اسباب اختیار کئے بغیر توکل کرنا جہالت اور حماقت ہے۔حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً" اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں پیدا کی ہے جس کی شفا نہ اُتاری ہو۔"(صحیح بخاري:5678)

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ" ہر بیماری کی دوا ہے، پس جب دوا بیماری کے مطابق ہوتی ہے تو اللہ عزوجل کے حکم سے مریض تندرست ہوجاتا ہے۔"(صحیح مسلم:2204)

حضرت اسامہ بن شریک کہتے ہیں:

"قَالَتِ الْأَعْرَابُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَا نَتَدَاوَى؟ قَالَ: "نَعَمْ. يَا عِبَادَ اللّٰهِ، تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً - أَوْ قَالَ - دَوَاءً، إِلَّا دَاءً وَاحِدًا". قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا هُوَ؟ قَالَ: "الْهَرَمُ".

رسول اللہ ﷺ سے دیہات کے لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم دوا علاج کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں: اللہ کے بندو! علاج کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی ضرور پیدا کی ہے، سوائے ایک بیماری کے، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون سی بیماری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑھاپا۔"(ترمذی:2038۔ابوداؤد:3855)

اور حضرت ابوخزامہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:"يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوَى بِهِ وَتُقَاةً نَتَّقِيهَا، هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَيْئًا؟ قَالَ: "هِيَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ".

یا رسول اللہ! جھاڑ پھونک، دوا اور پرہیز کے سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر کو لوٹا سکتی ہیں؟ ارشاد ہوا یہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہے۔(ترمذی:2065)

2-علاج سے واقفیت:

دوا علاج کے لئے فن طب سے واقفیت ضروری ہے اس کے بغیر اگر کوئی علاج کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں مریض کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو وہ ذمہ دار ہوگا۔چنانچہ عمرو بن شعیب کی سند سے منقول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"مَنْ تَطَبَّبَ وَلَا يُعْلَمُ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ"(ابوداؤد:4586۔نسائی:4830)

اورعوام کو تکلیف، مشقت، پریشانی، فریب اور دھوکہ دہی سے بچانے کے لیے اسلامی قانون ایسے افراد پر پابندی

لگاتا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے کہ تین قسم کے افراد پر پابندی عائد کی جائے گی: ناجائز حیلے بتانے والا مفتی، طبیب جاہل اور وہ مفلس جو کرایہ کی سواری مہیا کرنے کی ذمہ داری لے۔

علامہ ابن عابدین اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ یہ تینوں شخص دین، بدن اور مال کو فاسد اور خراب کرنے والے ہیں، اس لیے ان پر پابندی لگائی گئی، کیونکہ عمومی نقصان کے مقابلہ میں انفرادی نقصان کو گوارا کرلیا جاتا ہے، گویا یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قبیل سے ہے۔ (درمختار مع الرد 146/6)

وہ ڈاکٹر جو فن طب سے واقف ہے لیکن اس کے پاس کسی میڈیکل کالج کی سرٹیفکیٹ نہیں ہے، تو اس کا شمار ''طبیب جاہل'' میں ہوگا، اس لیے کہ سرٹیفکیٹ کے بغیر اس کی مہارت اور حذاقت کا علم نہیں ہوسکتا ہے اور ہر شخص دعوا کرسکتا ہے کہ وہ ماہر ڈاکٹر ہے حالانکہ اس فن سے وہ ناواقف ہے۔

3-ناواقفیت کے باجود علاج:

ناواقف اور نااہل ڈاکٹر نے کسی کا علاج کیا اور مریض اس کی جہالت سے ناآشنا ہے، تو اس علاج کے نتیجے میں پہنچنے والے نقصان کا یہ شخص ذمہ دار ہوگا، چنانچہ حدیث نبوی ہے: جس ڈاکٹر نے کسی قوم کا علاج کیا حالانکہ وہ پہلے سے اس فن میں مشہور نہیں تھا اور اس کے نتیجہ میں کوئی نقصان ہوجائے تو وہ ضامن ہوگا۔ ''**أَيُّمَا طَبِيبٍ تَطَبَّبَ عَلَى قَوْمٍ لَا يُعْرَفُ لَهُ تَطَبُّبٌ قَبْلَ ذَلِكَ فَأَعْنَتَ فَهُوَ ضَامِنٌ**'' (ابوداؤد: 4587)

علامہ ابن قیم اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: اگر مریض نے اسے ڈاکٹر سمجھ کر علاج کی اجازت دی ہے تو اس علاج سے پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار ڈاکٹر ہوگا، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب اس کے لیے کوئی دوا تجویز کرے کہ وہ اسے استعمال کرے اور مریض نے اس خیال سے کہ یہ شخص واقف ہونے اور اس فن میں مہارت کی وجہ سے رہنمائی کررہا ہے یہاں تک کہ وہ اس دوا کی وجہ سے ہلاک ہوجائے تو طبیب اس کا ضامن ہوگا، حدیث اس سلسلہ میں ظاہر اور بالکل صریح ہے۔ (زادالمعاد 140/4)

لیکن چونکہ اس میں ایک گونہ مریض کی رضا اور اجازت بھی شامل ہے، اس لیے ہلاکت کی وجہ سے اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ خوں بہا واجب ہے اور اس رقم کی ادائیگی میں اس کے خاندان والے یا شریک کار (عاقلہ) بھی شامل ہوں گے، علامہ خطابی کا بیان ہے: ''جب ڈاکٹر زیادتی کر بیٹھے اور اس کی وجہ سے مریض ہلاک ہوجائے تو وہ ضامن ہوگا، میں نہیں جانتا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے اور جو شخص ایسے علم یا عمل کو اختیار کئے ہوئے ہے جس سے وہ واقف نہیں تو ایسا شخص زیادتی کرنے والا ہے، لہٰذا اگر اس کے فعل سے کوئی ہلاک ہوجائے یا کوئی عضو تلف ہوجائے تو وہ خوں بہا کا ضامن ہوگا اور اس سے قصاص ساقط ہے، کیونکہ یہ علاج مریض کی اجازت سے خالی نہیں اور نااہل ڈاکٹر کے جرم کا تاوان اکثر فقہاء کے نزدیک اس کے متعلقین (عاقلہ) پر ہے۔'' (حوالہ سابق 139/4)

حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ ان کے یہاں جو شخص قتل کا بالواسطہ ذریعہ بنا ہو (متسبب) تو خوں بہا اس کے متعلقین پر واجب ہوتا ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر 10/299)

ناواقف ڈاکٹر پر صرف تاوان کا واجب ہونا مریض کے حق کی وجہ سے ہے، لیکن اگر قاضی مناسب سمجھے تو اس کی تنبیہ اور سرزنش و فہمائش بھی کرسکتا ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور کوئی اس طرح کے علاج پر اقدام نہ کرے۔ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں: ''اور اگر وہ اس کا اہل نہ ہو تو اس کی پٹائی کی جائے اور قید میں ڈال دیا جائے اور اس پر تاوان واجب ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تاوان صرف اسی کے مال سے لیا جائے گا اور کہا گیا ہے کہ اس کے متعلقین بھی اس میں شریک ہوں گے۔'' (بدایۃ المجتہد 2/233)

اگر مریض ڈاکٹر کی جہالت سے واقف ہے اور اس کے باوجود علاج کی اجازت دے دیتا ہے تو ڈاکٹر نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ''وان علم المجنی علیہ انہ جاھل واذن لہ فی طبہ لم یضمن''۔ (زاد المعاد 1/140)

4- علاج کی وجہ سے نقصان:

اپنے فن میں مہارت اور قانونی طور سے علاج کی اجازت کے ساتھ ایک ڈاکٹر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علاج میں ہر ممکن تدبیر کو ملحوظ رکھے، مریض کی مکمل دیکھ ریکھ، جانچ اور اس میں ڈاکٹری آلات سے مدد لینا اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، ڈاکٹری اصول کا لحاظ کرتے ہوئے اور کسی کوتاہی ولاپرواہی کے بغیر اس علاج سے کوئی نقصان پہنچ جائے تو وہ ماخوذ نہیں ہوگا، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: ''ماہر ڈاکٹر جس نے علاج میں فن کا حق ادا کردیا اور اس نے کوئی لاپرواہی نہیں کی تو اس کے اس فعل کی وجہ سے جس میں شریعت اور مریض کی اجازت شامل ہے کوئی عضو تلف ہوجائے یا جان چلی گئی یا کوئی صلاحیت زائل ہوگئی تو اس پر ضمان بہ اتفاق واجب نہیں ہے۔'' (زاد المعاد 1/139)

لیکن اگر اس نے اس سلسلہ میں کوتاہی اور بے احتیاطی سے کام لیا ہے، تو وہ اپنے فعل کا ذمہ دار ہوگا اور اس پر تاوان واجب ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس سے متعلق بڑی عمدہ بحث کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اجازت کے بعد تاوان واجب نہ ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں، وہ اپنے فن میں ماہر، واقف کار اور صاحب بصیرت ہو۔ دوسرے کوئی بے احتیاطی نہ کرے۔ اگر وہ اپنے فن میں مہارت کے باوجود کوتاہی کرجائے، مثلاً ختنہ کرنے میں ''حشفہ'' یا اس کے بعض حصہ کو کاٹ دے یا ایسے آلات سے آپریشن کیا کہ اس کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی یا ایسے وقت میں آپریشن کیا کہ اس وقت آپریشن مناسب نہ تھا، ان تمام صورتوں میں وہ ضامن ہوگا، امام شافعی اور اصحاب رائے کا بھی یہی مذہب ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے۔ (المغنی 5/313 کتاب الاجارۃ)

’’نقوش وفکر ونظر‘‘

مصنف: محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی
تعارف: پروفیسر محسن عثمانی ندوی
ناشر: ابراہیم بک ڈپو مدرسہ ضیاء العلوم رائی بریلی، یوپی
صفحات: ۲۰۸
قیمت: ۲۰۰ر

علم وادب کی دنیا میں بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں جو محض کلمات کا تسلسل نہیں بلکہ ایک فکری کارواں کا آغاز، ایک روحانی سفر کی دعوت، اور ایک فکری بیداری کا اعلان ہوتی ہیں، ایسی ہی ایک گراں قدر کتاب ’’نقوش فکر ونظر‘‘ ہے، جو مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی (امام مسجد الخليج التجاری، دبئی، وسابق استاذ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی) کے قلم سے نکلی ہے، جو نہ صرف ایک صاحب ذوق قلم کار ہیں بلکہ اردو وعربی انشا نگاری کے ایک تجربہ کار مربی اور زبان وبیان کے ماہر بھی ہیں، ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ان کے انداز تدریس کی ثناخواں ہے۔

یہ کتاب متفرق موضوعات پر مشتمل ضرور ہے، مگر اس کا رشتہ ایک مرکزی دھاگے سے بندھا ہوا ہے، وہ دھاگا ہے علم، بصیرت، اصلاح اور درد امت کا، مولانا ندوی کا قلم ایک ایسا چراغ ہے جو قاری کے دل ودماغ کو روشن کرتا ہے، وہ نہ صرف لکھتے ہیں بلکہ جگاتے ہیں۔ جھنجھوڑتے ہیں اور پھر امید کی روشنی دکھاتے ہیں، ان کا اسلوب نہ تو محض خطیبانہ ہے اور نہ فقط نصیحت آموز، بلکہ وہ فکری حلاوت، علمی عمق اور ادبی لطافت کا حسین امتزاج پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب کا ہر مضمون ایک مستقل فکری کائنات ہے، کہیں وہ عقیدہ وایمان کی لطافت بیان کرتے ہیں، تو کہیں نبی آخر الزماں ﷺ کی سیرت طیبہ کے آئینے میں اخلاق ومعاشرت کے نقوش اجاگر کرتے ہیں، کہیں وہ امت مسلمہ کے زوال پر دل گرفتہ نظر آتے ہیں، تو کہیں تعمیر امت اور اصلاح معاشرہ کے لئے جگر سوز صدائیں بلند کرتے ہیں، ایک جگہ قلم کی اہمیت پر لکھتے ہیں:

’’قلم محض ایک مادی پیکر کا نام نہیں ہے، اس کو تقدس سے نسبت ہے، قلم حق کا نگہبان ہے، ابلاغ حق اس کی آبرو ہے، عظیم انسانوں کی پہچان ہے، بچے انسانوں کے ساتھ قلم کی دوستی ہوتی ہے، سچا اور اچھا انسان، بابصیرت اور اصلی انسان اس سے رفاقت قائم کر لیتا ہے اور تادم واپسیں اس کی رفاقت پر ناز کرتا ہے، قلم کی دوستی صرف اچھے اور سچے انسانوں سے ہو

سکتی ہے، یہ جب کسی اچھے انسان کی انگلیوں کے درمیان آتا ہے، تو قلم اس کے دل کی دھڑکن، اس کے احساسات کا ترجمان، اس کے افکار کا امین اور اس کے غم و شادمانی کا ساتھی اور زندگی کا ہم سفر بن جاتا ہے، قلم صاف دل، صاف ذہن انسان کا وفادار ساتھی ہے، قلم کے اندر انسان کی حرارت، دانشمندی، سچائی، غیرت اور احساسات اتر آتے ہیں، وہ انسان کے وجود میں خوشبو بن جاتا ہے۔"

قلم اور قاری کے تعلق پر یہ اقتباس مولانا ناصر ندوی کی فکری دنیا کا عنوان ہے، ان کے نزدیک قلم محض ایک آلہ نہیں، بلکہ امانت ہے؛ ایک مقدس ذمہ داری ہے جو صرف ان ہی کے ہاتھوں میں آتی ہے جو سچائی، بصیرت اور غیرت کے جوہر سے آشنا ہوں۔

مولانا ندوی اس امانت کے امین بھی ہیں اور اس کی حرمت کے نقیب بھی۔ ''نقوش فکر و نظر'' صرف پڑھنے کی نہیں بلکہ بار بار پڑھنے اور ہر بار نئے زاویوں سے سوچنے کی کتاب ہے، یہ ان لوگوں کے لئے دعوت فکر ہے جو خود کو مسلمان تو کہتے ہیں، مگر زندہ ضمیر مسلمان بننے کی جستجو رکھتے ہیں، یہ ان نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہے، جو دین اور دنیا کے سنگم پر کھڑے ہو کر اپنی سمت متعین کرنا چاہتے ہیں، یہ ان علماء و طلبہ کے لئے ایک آئینہ ہے، جو منبر و محراب کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔

میں اس کتاب کو ایک دردمند مسلمان کی حیثیت سے، نہایت قدر و وقار کے ساتھ اہلِ علم، اہل ادب اور تمام اہل دل کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب صرف فکری تسکین ہی نہیں دے گی بلکہ فکری تحریک کا ذریعہ بھی بنے گی۔ واللہ ولی التوفیق!

واقعات وحکایات

ابوصفی قاسمی

اہل دنیا کومبارک ان کی دنیا داریاں

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک شہر کے دروازہ پر پہنچے۔دیکھا کہ شہر پناہ کا دروازہ بند ہے۔لوگوں سے پوچھا کہ دن میں دروازہ کیوں بند ہے؟ کیا کسی دشمن کا خطرہ ہے؟لوگوں نے کہانہیں بلکہ بادشاہ کا باز اڑ گیا ہے اس لئے دروازہ بند کرادیا کہیں دروازہ سے نہ نکل جائے۔یہ سن کرآپ بہت ہنسے اور سمجھ گئے کہ بادشاہ محض احمق ہے، بھلا باز کودروازہ سے نکلنے کی کیا ضرورت ہے وہ تواوپر سے بھی اڑ کر جاسکتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے بطور ناز کے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ سبحان اللہ اتنے احمق کوآپ نے بادشاہ بنادیا اور ہم ایسے عاقل وعارف اور ہماری یہ حالت ہے کہ پیر میں جوتی بھی سالم نہیں، بدن پر کپڑے بھی درست نہیں۔ان بزرگ کا مقام ابدال کا تھا مگر ناز ہر وقت نہیں چلتا کیونکہ کبھی وہ بھی ناز کرنے لگتے ہیں یہ کیا کہ تم توناز کرواور وہ کبھی نہ کریں۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ بہت اچھا کیا تم اس پر راضی ہو کہ اس بادشاہ کی حماقت وجہالت معہ سلطنت کے تم کو دے دی جائے اور تمہارے معرفت ومحبت معہ فقر وتنگدستی وخستہ حالی کے اس کو دے دی جائے۔یہ جواب سنتے ہی وہ بزرگ کانپ اٹھے اور فوراً سجدہ میں گر پڑے کہ میں اس گستاخی سے توبہ کرتا ہوں اور اس تبادل پر ہرگز راضی نہیں۔

(خطبات حکیم الامت:۱۵/۱۷۷)

سب سے بڑی کرامت

ایک شخص حضرت جنیدؒ کے پاس دس سال رہا،مگر اس عرصہ میں کوئی حسی کرامت اس کو نظر نہ آئی۔دس سال کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضرت میں دس سال سے آپ کے پاس ہوں، مجھے آج تک کوئی کرامت آپ کی معلوم نہیں ہوئی، جس طرح اور لوگ ہیں ایسے ہی آپ بھی معلوم ہوتے ہیں۔کوئی خاص بات آپ کے اندر مجھے معلوم نہیں ہوئی۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم نے اس دس سال کے عرصہ میں جنیدؒ سے کوئی کام خلاف شرع کام صادر ہوتے دیکھا ۔اس نے کہا حضرت کوئی بات خلاف شرع تونہیں دیکھی۔فرمایا اس سے زیادہ جنیدؒ کی کرامت اور کیا چاہتے ہو کہ دس برس میں اس سے ایک کام بھی خلاف شرع کام نہیں ہوا۔

(خطبات حکیم الامت:۱۵/۶۶)

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط:٦ از: میر امن دہلوی

سیر پہلے درویش کی

(گذشتہ سے پیوستہ) فقیر موافق فرمانے اس کے اسی نام ونشان پر منزلِ مقصود تک جا پہنچا۔ دربان کی زبانی کیفیت خط کی کہلا بھیجی۔ وونھیں سنتے ہی ایک ایک حبشی جوان خوب صورت ایک چھینٹا طرح دار سجے ہوئے باہر نکل آیا۔ اگر چہ رنگ سانولا تھا پر گویا تمام نمک بھرا ہوا۔ میرے ہاتھ سے خط لے لیا، نہ بولا نہ کچھ پوچھا۔ انھیں قدموں پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں گیارہ کشتیاں سر بہ مہر زربفت کی تورہ پوش پڑے ہوئے غلاموں کے سر پر دھرے باہر آیا۔ کہا اس جوان کے ساتھ جا کر چوگوشے پہنچا دو۔ میں بھی سلام کر رخصت ہوا اپنے مکان میں لایا آدمیوں کو دروازے کے باہر سے رخصت کیا۔ دو کشتیاں امانت حضور میں اس پری کے گزرانیاں دیکھ کر فرمایا یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کی لے اور خرچ اور خرچ میں لا، خدا رزاق ہے۔ فقیر اس نقد کو لے کر ضروریات میں خرچ کرنے لگا۔ اگر چہ خاطر جمع ہوئی پر دل میں یہ خلش رہی یاالٰہی! یہ کیا صورت ہے؟ بغیر پوچھے گچھے اتنا مال نا آشنا صورت اجنبی نے ایک پرزے کاغذ پر میرے حوالے کیا، اگر اس پری سے یہ بھید پوچھوں، تو اس نے پہلے ہی منع کر رکھا تھا۔ مارے ڈر کے دم نہیں مار سکتا تھا۔

بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھ سے مخاطب ہوئی کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ میلا ہو۔ اگر چہ پرانے کپڑے سے اس کی آدمیت میں فرق نہیں آتا، پر ظاہر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا۔ دو توڑے اشرفی کے ساتھ لے کر چوک کے چوراہے پر یوسف سوداگر کی دکان میں جا اور کچھ رقم جواہر کے بیش قیمت اور دو خلعتیں زرق برق کی مول لے آ۔ فقیر دونہیں سوار ہو کر اس کی دکان پر گیا۔ دیکھا تو ایک جوان شکیل زعفرانی جوڑا پہنے گدی پر بیٹھا ہے، اور اس کا یہ عالم ہے کہ ایک عالم دیکھنے کے لیے دکان سے بازار تک کھڑا ہے۔

فقیر کمال شوق سے نزدیک جا کر سلام علیک کر کر بیٹھا اور جو جو چیز مطلوب تھی، طلب کی۔ میری بات چیت اس شہر کے باشندوں کی سی نہ تھی۔ اس جوان نے گرم جوشی سے کہا، جو صاحب کو چاہیے موجود ہے، لیکن یہ فرمائیے کس ملک سے آنا ہوا؟ اور اس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے؟ اگر اس حقیقت سے مطلع کیجئے تو مہربانی سے بعید نہیں، میرے تئیں اپنا احوال ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ کچھ بات بنا کر اور جواہر پوشاک لے کر اور قیمت اس کو دے کر رخصت چاہی۔ اس جوان نے روکھے پھیکے ہو کر کہا، اے صاحب! اگر تم کو ایسی ہی نا آشنائی کرنی تھی، تو پہلے دوستی اتنی گرمی سے کرنی کیا ضرور تھی؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے۔ یہ بات اس مزے اور انداز سے کہی بے اختیار دل کو

بھائی اور بے مروت ہو کر وہاں سے اٹھنا انسانیت کے مناسب نہ جانا۔ اس کی خاطر پھر بیٹھا اور بولا، تمھارا فرمانا سر آنکھوں پر، میں حاضر ہوں۔

اتنے کہنے سے بہت خوش ہوا، ہنس کر کہنے لگا، اگر آج کے دن غریب خانے پر کرم کیجئے تو تمھاری بدولت مجلس خوشی کی جما کر دو چار گھڑی دل بہلاویں۔ اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں۔ فقیر نے اس پری کو کبھو اکیلا نہ چھوڑا تھا، اس کی تنہائی یاد کر کر چند در چند عذر کیے، پر اس جوان نے ہرگز نہ مانا۔ آخر وعدہ ان چیزوں کو پہنچا کر میرے پھر آنے کا لے کر اور قسم کھلا کر رخصت دی۔ میں دکان سے اٹھ کر جواہر اور خلعتیں اس پری کی خدمت میں لایا۔ اس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی پوچھی۔ میں نے سارا احوال مول تول کا اور مہمانی کے بضد ہونے کا کہہ سُنایا۔ فرمانے لگی، آدمی کو اپنا قول قرار پورا کرنا واجب ہے، ہمیں خُدا کی نگہبانی میں چھوڑ کر اپنے وعدے کو وفا کر، ضیافت قبول کرنی سُنّت رسُول کی ہے۔ تب میں نے کہا، میرا دل چاہتا نہیں کہ تمھیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں اور حکم یوں ہوتا ہے، لاچار جاتا ہوں، جب تلک آؤں گا دل یہیں لگا رہے گا۔ یہ کہہ کر پھر اس جوہری کی دُکان پر گیا، وہ مونڈھے پر بیٹھا میرا انتظار کھینچ رہا تھا۔ دیکھتے ہی بولا " آؤ مہربان، بڑی راہ دکھائی۔"

وہیں اُٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا، جاتے جاتے ایک باغ میں لے گیا وہ بڑی بہار کا باغ تھا، حوض اور نہروں کے فوارے چھوٹتے تھے، میوے طرح بہ طرح کے پھل رہے تھے، ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم رہا تھا۔ رنگ برنگ کے جانور اُن پر بیٹھے چہچہے کر رہے تھے، اور ہر مکان عالی شان میں فرش سُتھرا بچھا تھا۔ وہاں لبِ نہر ایک بنگلے میں جا کر بیٹھا۔ ایک دم کے بعد آپ اُٹھ کر چلا گیا، پھر دوسری پوشاک معقول پہن کر آیا۔ میں نے دیکھ کر کہا" سبحان اللہ! چشمِ بد دور۔" سُن کر مُسکرایا اور بولا مناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں۔ اُس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے اُس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی کی، اور سامان خوشی کا جیسا چاہیے موجود کیا۔ اور فقیر سے صحبت بہت گرم کر مزے کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں ساقی صراحی و پیالہ بلور لے کر حاضر ہوا اور گزک کئی قسم کی لا کے رکھی۔ نمک دان چُن دیے، دور شراب کا شروع ہُوا۔ جب دو جام کی نوبت پہنچی چار لڑکے امرد صاحب جمال زلفیں کھولے ہوئے مجلس میں آئے، گانے بجانے لگے۔ یہ عالم ہُوا اور ایسا سماں بندھا اگر تان سین اس گھڑی ہوتا، تو اپنی تان بھول جاتا، اور بیجو باؤرا سُن کر باؤلا ہو جاتا۔ اس مزے میں ایک بارگی وہ نوجوان آنسو بھر لایا، دو چار قطرے بے اختیار نکل پڑے اور فقیر سے بولا۔ اب ہماری تمھاری دوستی جانی ہوئی، پس دل کا بھید دوستوں سے چھُپانا کسو مذہب میں درست نہیں۔ ایک بات بے تکلف آشنائی کے بھروسے کہتا ہوں اگر حکم کرو تو اپنی معشوقہ کو بُلوا کر اس مجلس میں تسلی اپنے دل کی کروں۔ اُس کی جُدائی سے جی نہیں لگتا۔

یہ بات ایسے اشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے فقیر کا دِل بھی مشتاق ہوا۔ میں نے کہا، مجھے تمھاری خوشی درکار ہے، اس سے کیا بہتر؟ دیر نہ کیجیے، سچ ہے معشوق بِن کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اِس جوان نے چلون کی طرف اشارت کی،

دو تھیں ایک عورت کالی کلوٹی بھتنی سی جس کے دیکھنے سے انسان بے اجل مرجاوے، جوان کے پاس آن بیٹھی۔ فقیر اس کے دیکھنے سے ڈر گیا۔ دل میں کہا یہی بلا محبوبہ ایسے جوان پری زاد کی ہے جس کی اتنی تعریف اور اشتیاق ظاہر کیا! میں لاحول پڑھ کر چُپ ہو رہا، اُسی عالم میں تین دن رات مجلس شراب اور راگ رنگ جمی رہی، چوتھی شب کو غلبہ نشے اور نیند کا ہوا۔ میں خوابِ غفلت میں بے اختیار سو گیا جب صبح ہوئی اُس جوان نے جگایا، کئی پیالے خمار شکنی پلا کر اپنی معشوقہ سے کہا، اب زیادہ تکلیف مہمان کو دینی خوب نہیں۔

دونوں ہاتھ پکڑے اُٹھے، میں نے رُخصت مانگی خوشی بہ خوشی اجازت دی، تب میں نے جلد اپنے قدیمی کپڑے پہن لیے اپنے گھر کی راہ لی، اور اس پری کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ مگر ایسا اتفاق کبھو نہ ہوا کہ اُسے تنہا چھوڑ کر شب باش کہیں ہوا ہوں۔ اس تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خجل ہو کر عذر کیا، اور قصہ ضیافت کا اور اُس کے نہ رخصت کرنے کا سارا عرض کیا۔ وُہ ایک دانا زمانے کی تھی، تبسم کر کے بولی، کیا مضائقہ اگر ایک دوست کی خاطر رہنا ہوا؟ ہم نے معاف کیا، تیری کیا تقصیر ہے؟ جب آدمی کسو کے گھر جاتا ہے تب اُس کی مرضی سے پھر آتا ہے، لیکن مُفت کی مہمانیاں کھا پی کر چُپکے ہو رہو گے یا اس کا بدلا بھی اُتارو گے؟ اب یہ لازم ہے کہ جا کر اُس سوداگر بچے کو اپنے ساتھ لے آؤ، اور اُس سے دو چند ضیافت کرو۔ اور اسباب کا کچھ اندیشہ نہیں، خدا کے کرم سے ایک دم میں سب لوازمہ تیار ہو جاوے گا اور بہ خوبی مجلس ضیافت کی رونق پاوے گی۔ فقیر موافق حکم کے جوہری پاس کے گیا اور کہا، تمھارا فرمانا تو میں سر آنکھوں سے بجا لایا، اب تُم بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو۔ اُس نے کہا جان و دل سے حاضر ہوں۔

تب میں نے کہا اگر اس بندے کے گھر تشریف لے چلو، عین غریب نوازی ہے، اُس جوان نے بہت عذر اور حیلے کیے، پر میں نے پنڈ نہ چھوڑا جب تلک وہ راضی ہوا، ساتھ ہی ساتھ اُس کو اپنے مکان پر لے چلا۔ لیکن راہ میں یہی فکر کرتا تھا کہ اگر آج اپنے تئیں مقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا۔ اب میں اسے لئے جاتا ہوں، دیکھیے کیا اتفاق ہوتا ہے۔ اسی حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا، تو کیا دیکھتا ہوں؟ کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے۔ گلیارے میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا ہے۔ یساول اور عصیٰ بردار کھڑے ہیں۔ میں حیران ہوا لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرشِ مکلف لائق ہر مکان کے جا بجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں۔ پان دان، گلاب پاش، عِطر دان، پیک دان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے دھرے ہیں۔ طاقوں میں رنگترے، کبنولے، نارنگیاں اور گلابیاں، رنگ برنگ کی چُنی ہیں، ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں، اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دان پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں، باورچی خانے میں دیگیں کُھٹکھنا رہی ہیں، آب دار خانے کی ویسی ہی تیاری ہی، کوری کوری ٹھلیاں روپے کی گھڑونچیوں پر صافیوں سے بندھیں اور بُجھروں سے ڈھکی رکھی ہیں۔ آگے چوکی پر ڈونگے کٹورے بمع تھالی، سر پوش، دھرے برف کے آب خورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں۔ (جاری)

طب وصحت

سردیاں اور بیماریاں

مفتی ناصر الدین مظاہری

سردی کا موسم اپنی پوری شان سے آتا ہے۔ کوئی اسے لحاف، قہوہ اور مونگ پھلیوں کا موسم کہتا ہے، اور کسی کے لئے یہ ناک، گلا اور پھیپھڑوں کا امتحان بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سردی جتنی حسین لگتی ہے؛ بے احتیاطی کی صورت میں اتنی ہی بے رحم بھی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ موسمِ سرما میں جسم کا مدافعتی نظام کمزور ہو جاتا ہے، لہٰذا چھوٹی سی ٹھنڈک بھی بڑی بیماری کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

ذرا سنو......اور سمجھو......تا کہ سردی آپ کے دروازے پر ہو، لیکن بیماری اندر داخل نہ ہو پائے۔

سردیوں میں عام بیماریاں

نزلہ و زکام، چھینکیں، ناک بہنا، آنکھوں سے پانی...... یہ سب سردی کے وائرس کی کارستانی ہے۔ ٹھنڈی ہوا اور کمزور قوتِ مدافعت مل کر اسے بڑھا دیتے ہیں۔

کھانسی: خشک کھانسی زیادہ تکلیف دیتی ہے؛ اور بلغم والی نیندیں اڑاتی ہے۔ دونوں ہی زیادہ دیر چلیں تو گلے اور سینے پر اثر ڈالتی ہیں۔

گلے کی خراش، سرد ہوا، آئس کریم، یا دھول مٹی......گلا فوراً ناراض ہو جاتا ہے۔ آواز بیٹھ جاتی ہے، اور نگلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔

نمونیا: سب سے خطرناک بیماری، یہ عموماً بچوں، بزرگوں اور کمزور مریضوں کو جلد پکڑ لیتا ہے۔ تیز بخار، کھانسی، اور سانس میں دشواری اس کی علامتیں ہیں۔ سردی میں اس کا رسک کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

دمہ: جنہیں دمہ ہو، انہیں سردی خاص طور پر مشکلات میں ڈالتی ہے۔ ٹھنڈی ہوا پھیپھڑوں کی سوزش بڑھا دیتی ہے۔

جوڑوں کا درد: سردی میں جوڑوں کا درد ہمیشہ اپنے پرانے حساب چکانے آتا ہے۔ خاص طور پر گھٹنوں اور کمر کو نشانہ بناتا ہے۔

جلد کی خشکی: ہونٹ پھٹتے ہیں، جلد کھنچتی ہے، ہاتھ پاؤں سخت اور خشک ہو جاتے ہیں۔

سردی سے بچاؤ کے آسان طریقے

لباس مکمل اور محفوظ ہو: سردی سے بچاؤ کا پہلا ہتھیار یہی ہے۔ سوئٹر، جیکٹ، شال، گرم ٹوپی، اور موزے خاص طور پر صبح و رات میں لازمی۔

گرم مشروبات کو دوست بنائیں: ادرک کی چائے، شربتِ بزوری، قہوہ، ہلدی والا دودھ، یخنی...... یہ سب جسم کو اندر سے گرم کرتے ہیں۔

خشک میوہ جات: بادام، اخروٹ، کھجور، انجیر...... سردی کے بہترین محافظ ہیں۔ کم مقدار میں مگر مستقل کھائیں۔

بھاپ لینا اور غرارے: ناک و گلا فوراً کھل جاتے ہیں۔ روزانہ ایک دو بار نمک والے نیم گرم پانی سے غرارے بہترین حفاظتی علاج ہے۔

گھر کو گرم رکھیں: خاص طور پر بزرگوں، بچوں اور کمزور مریضوں کے کمروں کا درجہ حرارت معتدل ہونا چاہئے، ہیٹر یا گیس جان لیوا ہوتی ہے، سونے سے پہلے یہ چیزیں ضرور بجھا دیں، ویسے بھی آگ اور چراغ بجھانے کا حکم ہے، بے شمار اموات ہیٹر اور گیس جلتے رہنے کی وجہ سے ہو چکی ہیں۔

پانی مناسب مقدار میں: سردیوں میں لوگ پانی کم پیتے ہیں، اسی سے گلے، جلد اور نظامِ ہضم کے مسائل بڑھتے ہیں۔

ہاتھوں کی صفائی: وائرس زیادہ تر ہاتھوں سے پھیلتا ہے۔ سردی ہو یا گرمی، ہاتھ دھونا سب سے مضبوط حفاظتی دیوار ہے۔

فلو ویکسین: بچوں، بزرگوں اور ایسے افراد کے لئے جن کی قوتِ مدافعت کمزور ہو، یہ بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔

گھریلو نسخے اور ٹوٹکے

* ادرک و شہد کھانسی و گلے کے لئے بہت موثر ہے۔
* لونگ اور شہد صبح شام چٹانا مفید ہے۔
* ہلدی والا دودھ سوزش کم کرتا ہے۔
* نیم گرم پانی پینا جسم کو آرام دیتا ہے۔
* بھاپ کے غرارے ہر قسم کے زکام کا بہترین علاج ہے۔

نوٹ:

یہ نسخے اور ٹوٹکے کچھ تو اپنے مرحوم والد ماجد سے اور کچھ ڈاکٹر گوگل سے لئے گئے ہیں میں حکیم تو کیا نیم حکیم بھی نہیں ہوں۔

جامعۃ السعادۃ واسعادالبنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جوملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کرپاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴؍شعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: **جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول** کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعادالبنات'' قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

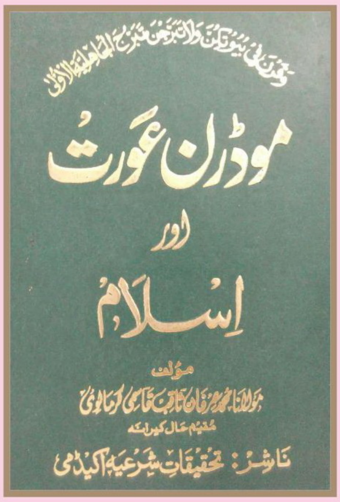

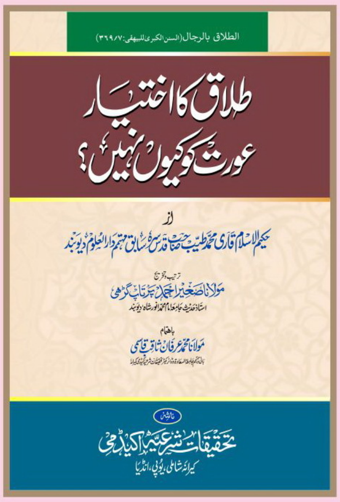

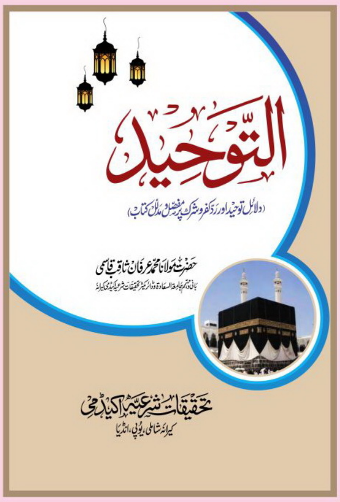

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768